بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ | اکتوبر ۲۰۱۴ء

جلد نمبر ۳۸ شمارہ ۱۰

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ — حج کا روحانی پیغام — محمد طفیل احمد مصباحی (۳)

تحقیقات

علمی تحقیق — کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت معتبر نہیں؟ — مفتی محمد حسان عطاری (۵)

تحقیق و تنقید — علمِ اصولِ حدیث کی اہمیت — افتخار احمد عطاری مدنی (۱۰)

فقہیات

آپ کے مسائل — کیا فرماتے ہیں.... — مفتی محمد نظام الدین رضوی (۱۳)

نظریات

فکر امروز — فکر و عمل کی تطہیر کا عزمِ نو — ابوالحسن فضیل رضا عطاری (۱۵)

اسلامیات

شعاعیں — قربانی کی حقیقت — محمد اختر علی واجد القادری (۱۹)

بزمِ تصوف — اسلام کا تصورِ فقر — عبد الحسیب کچھوچھوی (۲۴)

شخصیات

انوارِ حیات — امام طحاوی اور علمِ حدیث — محمد امتیاز رضا علائی (۲۶)

عکس جمیل — مجدد الف ثانی اور الحادِ اکبری کا انسداد — فہیم احمد ثقلینی ازہری (۲۹)

سیاسیات

آئینۂ عالم — عالمِ اسلام میں جدید خوارج کی شرانگیزیاں — غلام رسول دہلوی (۳۷)

بزمِ دانش

فکر و نظر — بچہ مزدوری: اسباب و تدارک — عمرانہ طیبہ/محمد ساجد رضا مصباحی/محمد عابد چشتی (۴۱)

ادبیات

نقد و نظر — مجلہ ”الاحسان“ (پانچواں شمارہ) — مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی (۴۸)

خیابان حرم — منظومات — الحاج اقبال دانش/ وصی مکرانی (۵۱)

مکتوبات

صدائے بازگشت — وصی مکرانی واجدی/مولانا یوسف رضا قادری/محمد آصف اقبال (۵۲)

سرگرمیاں

عالمی خبریں — روس میں اسلام/ اسرائیلی دوشیزہ کا قبولِ اسلام/ دبئی میں اسلامی تبرکات کی نمائش (۵۴)

خیر و خبر — جامعہ اشرفیہ کے اراکین کو مبارک باد/سیلاب زدہ کشمیری عوام کی امداد کے لیے تنظیم ابنائے اشرفیہ، شاخ ہوڑہ کی اپیل (۵۵)

اداریہ

حج کا روحانی پیغام

محمد طفیل احمد مصباحی

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے « چوتھا رکنِ اعظم » ہے۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی طرح حج کے بھی کچھ بنیادی مقاصد اور اس کے روحانی پیغام ہیں۔ انھیں مقاصد کے حصول اور روحانی پیغام کو دنیا میں عام و تام کرنے کے لیے مسلمانوں پر حج فرض کیا گیا ہے۔ قرآنی ارشاد کے مطابق انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی ہے۔ حج عبادت و بندگی بھی ہے اور تزکیۂ نفس و تطہیرِ باطن کا ذریعہ بھی۔ حج اتحاد و مساوات کی تعلیم بھی دیتا ہے اور بندوں کو اللہ رب العزت کے حضور بندگی کے آداب بھی سکھاتا ہے۔

حج کے باعث انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کے سبب دل کا زنگ آلود آئینہ صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور آئینۂ دل پر روحانیت و نورانیت کا عکس جھلملانے لگتا ہے۔ حدیثِ پاک میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"من حج هٰذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته أمه." (سنن النسائی ۲/ ۳، مطبوعہ سہارن پور)

ترجمہ: جس نے حج کیا اور وہ فحش کلامی اور بدکاری سے دور رہا، وہ ایسا ہی ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے نکلا ہو۔

حج جانی و مالی عبادت کا مجموعہ ہے، حاجی جانی و مالی دونوں عبادتوں کا ثواب حاصل کرتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکمل اسلامی آداب کی روشنی میں فریضۂ حج ادا کرے۔ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ قرآن کریم کی ایک مکمل سورہ «حج» کے نام سے نازل ہوئی ہے۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ بھی مسلمان پر فرض ہیں اور اہم عبادات میں سے ہیں مگر کوئی سورہ نماز، روزہ یا زکوٰۃ کے نام سے نازل نہیں ہوئی۔ اس سے ہم حج کی اہمیت و عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حج کے اخلاقی و تربیتی پہلوؤں پر اگر نظر ڈالی جائے تو قدم قدم پر آپ کو «کردار سازی» کے جلوے نظر آئیں گے۔ حج محض چند ظاہری اعمال و مناسک کی ادائیگی کا نام نہیں۔

حج کعبہ دراصل ربِّ کعبہ کی رضا و خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کا نام ہے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے ساتھ حاجیوں پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حج کے روحانی پیغام پر غور کریں۔ حج کے اخلاقی و تربیتی پہلوؤں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور اپنی زندگی میں حج کے روحانی پیغام کو عملاً نافذ کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

حج کا پہلا روحانی پیغام یہ ہے کہ بندہ اپنے دل و دماغ سے کفر و شرک اور الحاد و نفاق کے تمام وسوسے ختم کر کے ایک معبودِ برحق کی وحدانیت و عبودیت کی گواہی دے اور تمام معبودانِ باطل سے ناطہ توڑ کر ایک حقیقی معبود کے آگے سرِ اطاعت خم کر دے۔ تلبیۂ حج؛ لبيك اللهم لبيك، لا شريك لك لبيك.. .... اسی پیغام کا عملی اظہار ہے۔

حج کفر و شرک اور الحاد و نفاق کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور تمام نوع انسان کو ایک خدائے ذوالجلال کی ربوبیت و وحدانیت کی تعلیم دیتا ہے اور ساتھ ہی اللہ رب العزت کے حضور تواضع و انکساری اور عاجزی و فروتنی اختیار کرنے کا سبق سکھاتا ہے۔

انسان جیسی عاجز و ناتواں مخلوق کو تکبر اور بڑائی زیب نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ تکبر و بڑائی اور عظمت و کبریائی صرف اس احکم الحاکمین کو زیبا ہے جو پوری کائنات کا خالق، زبردست قوت و اختیار کا مالک اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔

حج میں احرام اور سر منڈانے کا حکم اسی لیے ہے کہ بندہ تواضع و انکسار اور عجز و فروتنی کا مجسم بن کر خدا کی بارگاہ میں حاضری دے اور تکبر و بڑائی جیسی لعنتوں سے محفوظ رہ سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی قبر کو انوار و تجلیات سے بھر دے کہ آپ نے «مکاشفۃ القلوب» میں بڑی نصیحت آمیز بات لکھی ہے کہ ”وہ آدمی جس کے پیٹ میں پیشاب و پاخانہ جیسی غلاظت ہو اور وہ تکبر کرے، اسے یہ ہرگز زیب نہیں دیتا۔“

غرض کہ تکبر جیسی برائی سے بچنا اور اس کے مقابل تواضع اور عاجزی اختیار کرنا، یہ حج کا ایک اہم پیغام ہے۔ اس پیغام کو اپنانے اور پوری مسلم دنیا میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج غرور و تکبر، بڑائی اور خود نمائی کی وبا مسلم معاشرے میں تیزی سے پھیل رہی ہے، ہر کوئی اپنی تعریف و تحسین میں لگا ہوا ہے۔ علم کا تکبر، مال کا تکبر اور خاندانی وجاہت کا غرور ہر سمت نظر آرہا ہے۔ کسی نہ کسی جہت سے ہم بڑکپن اور احساس برتری میں ضرور مبتلا ہیں۔ حجاجِ کرام اور زائرین حرم کو یہ عہد کرنا ہوگا کہ وہ جس طرح ایامِ حج میں اللہ رب العزت کے حضور تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کر رہے تھے آئندہ بھی اسی طرح تواضع و عاجزی کا مجسم بن کر زندگی گزاریں گے۔

حج امتِ مسلمہ کی اسلامی بیداری اور باہمی قربت و آشنائی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس روح پرور موقع پر مسلمانانِ عالم ایک مرکز پر جمع ہو کر رنگ و نسل، قومیت و وطنیت اور علاقائی امتیازات کی مصنوعی دیواروں کو منہدم کر کے اسلامی بیداری کا مکمل ثبوت دیتے ہیں۔ حج کا مقصد صرف خانۂ کعبہ کی زیارت یا صفا و مروہ کی سعی یا حجر اسود کو بوسہ دینا نہیں۔ حج کے پیچھے ایک عالم گیر مقصد کار فرما ہے۔ اور وہ مقصد ہے اس عالمی اجتماع سے امتِ مسلمہ کے اندر «اسلامی بیداری» کی روح پھونکنا اور غیر مسلم اقوام کو مسلم جمعیت اور اس کی قرار واقعی حیثیت کا احساس دلانا۔ اس طرح حج کا ہر عمل اسلامی شعور بیدار کرنے اور ذہن انسانی کو جھنجھوڑنے کے لیے ہے۔ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمان اپنی اسلام بیداری کی مہم پوری دنیا میں چلا سکتے ہیں اور اپنے مرکز میں جمع ہو کر اسلام مخالف طاقتوں کو متنبہ کر سکتے ہیں۔ مگر آج ہمارے مسلم حکمراں اور عوام و خواص اس جہت پر غور نہیں کرتے۔ بس مناسکِ حج ادا کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ہر ملک کے ذمہ دار علمائے کرام اور مسلم تنظیموں کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں غور و فکر کریں اور سعودی حکومت کو اعتماد میں لے کر اس میدان میں قدم آگے بڑھائیں، یقیناً اس بیداری مہم کے مثبت اثرات اور خوش گوار نتائج برآمد ہوں گے۔

حج کا ایک روحانی پیغام «اتحاد و مساوات» بھی ہے۔ حج ہمیں اتحاد و مساوات اور اخوت و بھائی چارگی کا پیغام دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کی زبردست تلقین کرتا ہے۔ آیتِ کریمہ «وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا» کا بھی یہی مطلب ہے۔ اتحاد زندگی اور اختلاف موت ہے۔ یوں تو اتحاد و مساوات اور مسلم وحدت کا نمونہ نماز میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ امیر، غریب، شہنشاہ، فقیر، کالے گورے، سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر «اتحاد و مساوات» کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مگر حج ایک ایسی عبادت ہے کہ اس میں «اتحاد و مساوات» کے جلوے نماز سے کچھ زیادہ ہی نظر آتے ہیں کہ تمام حجاج ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اور ایک مخصوص لباس «احرام» امیر و غریب، عربی، عجمی اور فقیر و شہنشاہ سب پہنے ہوتے ہیں۔ یہ احرام دراصل ایک عالمی یونیفارم ہے جسے پوری دنیا کے حجاج پہنتے ہیں اور اتحاد و مساوات کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور پوری ملت اسلامیہ «جسدِ واحد» کی شکل میں نظر آتی ہے۔

حج کا ایک پیغام راہِ خدا میں جان و مال کی قربانی پیش کرنا اور انبیا علیہم السلام کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا جذبہ فراہم کرنا بھی ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، شیطان کو کنکری مارنا اور ایامِ حج میں قربانی کرنا۔ یہ چیزیں درحقیقت اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت کریمہ کو زندہ رکھنے کی عملی تصویریں ہیں۔ رمیِ جمار یعنی شیطان کو کنکری مارنا گویا شیطان سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار ہے۔ یہ نفرت و بیزاری حج کے بعد بھی زندگی کے ہر موڑ پر ہمارے اندر پائی جانی چاہیے اور شیطانی کاموں (ناجائز و حرام کام) سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اور نفس جو کہ سب سے بڑا شیطان اور انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس کے مکر و فریب سے بچتے ہوئے اس کی ناجائز خواہشوں کو ٹھوکر مار دینا چاہیے۔ قربانی کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی تمام خواہشوں کو قربان کر دینا چاہیے اور خواہشات کی گردن پر چھری چلا دینا چاہیے۔ تب کہیں جا کر ہمارا حج مکمل ہوگا اور ہماری قربانی بارگاہِ صمدیت میں مقبول ہوگی۔

حجِ بیت اللہ کا ایک سب سے بڑا روحانی پیغام یہ بھی ہے کہ بڑے بزرگ جو خواب دیکھیں، اس خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانا نوجوانوں کا دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ میں اپنے فرزند اسماعیل کو قربان کر رہا ہوں۔ اس خواب کو آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے حقیقت کا لباس پہنایا اور راہِ خدا میں خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آج بھی اسی اسوۂ خلیلی اور سنتِ اسماعیلی کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ☆☆☆☆☆

علمی تحقیق

کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت معتبر نہیں؟

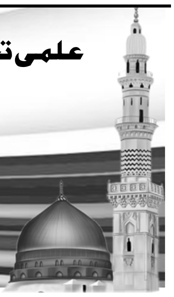

مفتی محمد حسان العطاری المدنی

اگر حدیث بلا سند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔

اسناد کی اہمیت اور فضیلت پر مشتمل ائمہ محدثین کے متعدّد اقوال ہیں ۔ جن کی قدرے تفصیل امام حافظ احمد بن اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (ت۱۱۶۲ھ) نے اپنی کتاب الفوائد الداري في ترجمة الإمام البخاري میں، علامہ محدث عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (ت۱۳۰۴ھ) نے الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة کے پہلے جواب میں بیان کی ہے، نیز عبد الفتاح ابو غدہ نے بھی مستقل ایک کتاب الإسناد من الدين کے نام سے تحریر کی ہے۔ ان کتب میں اسناد کی فضیلت میں کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

لیکن کیا احادیث طیبہ اسی صورت میں معتبر ہوں گی جب کہ وہ سند کے ساتھ بیان ہوں یا اگر بلا سند بھی حدیث کسی معتبر کتاب میں موجود ہو تو وہ معتبر ہوسکتی ہے؟ سند کی فضیلت واہمیت پڑھ کر اکثریت کے ذہن یہ بن چکے ہیں کہ بلا سند حدیث معتبر ہی نہیں ہوگی، حالانکہ علی الاطلاق ایسا نہیں ۔ اعلی حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلام اثریین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہورہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلمات ائمہ معتمدین میں بصیغۂ جزم مذکور ہوں مطلقا باطل ومردود وعاطل کہ احکام، مغازی، سیر، فضائل کسی باب میں اصلاً نہ سننے کے لائق، نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہاء دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے۔[۱]

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں واضح فرمایا ہے کہ سند کی فضیلتیں اور اتصال کی ضرورت دیکھ کر اگرچہ اکثر اذہان میں یہی مرکوز ہے کہ بے سند کوئی حدیث معتبر ہے ہی نہیں، چاہے کسی باب سے متعلق ہو، چاہے معتمد علما کے کلام میں جزم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہوں ۔ اور یہ بات باطل ہے۔

حدیث جب عقائد واحکام سے تعلق نہ رکھتی ہو اور کتب معتبرہ میں صیغۂ جزم جیسے قال، وغیرہ کے ساتھ موجود ہو، نیز دیگر دلائل سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو چکا ہو، علما نے اس کے بیان کرنے پر اعتماد کیا ہو تو ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے ۔ ہاں اگر یہ کسی دوسری قوی حدیث کے اس طرح معارض ہو کہ تطبیق بین الحدیثین نہ ہوسکے تو قابل اعتبار نہیں ہوگی۔ یہ تمام باتیں ائمہ حدیث کے اقوال اور عمل سے ثابت ہیں ۔ چند نصوص جو میرے مطالعہ سے گزری ہیں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حافظ محمد طاہر بن علی گجراتی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (ت۹۸۶ھ) یہ امام علی متقی الھندی صاحب کنز العمال، حافظ ابن حجر ہیتمی، علی بن عراق صاحب تنزیہ الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے شاگرد ہیں اور علم حدیث کے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار, المغني في ضبط أسماء الرجال. اور قانون الموضوعات جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں، یہ اپنی تصنیف تذكرة الموضوعات میں فرماتے ہیں : وفي العدة: واعلم أن الأحاديث التي لا أصل لها لا تقبل والتي لا إسناد لها لا يروى بها: ففي الحديث ((اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار)) فقيد ﷺ الرواية بالعلم وكل

(۱)- فتاوی رضویہ، جلد ۵ صفحہ ۶۲۱.

دارالافتا اہل سنت کنزالایمان بابری چوک کراچی، پاکستان
hassan.madani12@gmail.com

حديث ليس له إسناده صحيح و لا هو منقول في كتاب مصنفه إمام معتبر لا يعلم ذلك الحديث عنه ﷺ فلا يجوز قبوله. یعنی: العدۃ میں ہے: جان لیجیے کہ وہ احادیث جن کی کوئی اصل نہیں ان کو قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ احادیث جن کی کوئی سند نہیں ان کو روایت نہیں کیا جائے گا، حدیث میں ہے: مجھ سے احادیث کو روایت کرنے میں احتیاط کرو، وہی حدیث روایت کرو جس کو تم جانتے ہو، جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ نبی کریم ﷺ نے روایت کو علم کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور ہر وہ حدیث جس کی کوئی صحیح سند نہ ہو اور نہ وہ کسی امام معتبر کی کتاب میں نقل کی گئی ہو، اس حدیث کا نبی کریم ﷺ سے منقول ہونا معلوم نہیں ہوگا، لہٰذا اس کو قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔[۲]

صاحب عدہ نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہی حدیث روایت کی جائے گی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ حدیث مصطفی ﷺ ہے اور یہ معلوم ہونا یا تو کسی سند کے ذریعے ہوگا یا پھر ایسی کتاب میں ہو [illegible] کے امام معتبر ہیں۔ اور حافظ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے برقرار رکھا ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہو، تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے۔ أقول: بھلا، یاں تو طرق مسندہ باسانید متعدّدہ کتب حدیث میں موجود، علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں، اگرچہ طبقۂ رابعہ کسی طبقہ حدیث میں اس کا نام و نشان نہ ہو۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ وصال ظاہری کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور شافع یوم النشور ﷺ کو ندا فرمائی: "بأبي أنت و أمي يا رسول الله. "میرے ماں باپ حضور پر قربان یا رسول اللہ اور پھر حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ و شمائل جمیلہ عرض کیے۔ یہ حدیث امام ابو محمد عبد اللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علما سے تھے اپنی کتاب "اقتباس الأنوار و التماس الأزهار" میں اور امام ابو عبد اللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی المالکی نے جو آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی اور دونوں نے اس کو بلا سند ذکر کیا، ائمہ کرام و علما اعلام نے ان دونوں کتابوں سے بڑھ کر کسی اور کتاب میں اس کو نہیں پایا، کتب حدیث میں اصلا نشان نہ ملا۔ لیکن مقام چونکہ مقام فضائل تھا، لہٰذا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کند حواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقۂ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی انہیں اس کے ذکر و قبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا۔ اس حدیث کو علامہ ابو العباس قصار نے شرح قصیدۂ بردہ شریف میں ذکر کیا، اور انہوں نے رشاطی کا حوالہ دیا، امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کو جزماً ذکر کیا، اور انہوں نے شرح قصار اور مدخل کا حوالہ دیا۔ اسی طرح اس کو علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں ذکر کیا۔

(إلى أن قال): حدیث مذکور فاروقی بأبي أنت و أمي يا رسول الله کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا، اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا پھر ان کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ارشاد کیا:

لم أجده في شيء من كتب الأثر، لكن صاحب اقتباس الأنوار وابن الحاج في مدخله ذكراه في ضمن حديث طويل، وكفى بذلك سندا لمثله، فإنه ليس مما يتعلق بالأحكام.

یعنی کتب حدیث میں اس بارے میں مجھے کوئی بات نہیں ملی ہے، لیکن صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی مدخل میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اور اس طرح کی حدیث کے لیے اسی کی مثل سند (یعنی کتاب میں ہونا: حسان) کافی ہے، کیونکہ یہ حدیث ان احادیث سے نہیں جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔[۳]

جلیل القدر ائمہ حدیث و فقہ کے عمل اور قول سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ حدیث بلا سند جب فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور معتبر ائمہ کی کتب میں موجود ہو اور علما اس کو نقل کرتے ہوں تو اس کے قبول میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) جلال الملۃ والدین حافظ عبد الرحمن المعروف جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: یہ

(۲)-تذكرة الموضوعات صفحة، طبع ادراة الطباعة المنيرية القاهرة الطبعة الأولى،١

(۳)-فتاویٰ رضویہ جلد: ۵-صفحہ: ۵۶۱-ملخصا.

وہ امام ہیں کہ فنِ حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا۔[4]

فن حدیث کے تقریبا تمام موضوعات پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف جامع صغیر میں حدیث مبارکہ (اختلاف أمتي رحمة) روایت کی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

نصر المقدسي في الحجة، والبيهقي في الرسالة الأشعرية بغير سند، وأوردة الحليمي، والقاضي حسين، وإمام الحرمين وغيرةم، ولعلة خرج في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل إلينا.

یعنی اس حدیث کو نصر المقدسی نے حجہ میں، امام بیہقی نے "الرسالة الاشعرية" میں بغیر سند کے ذکر کیا، نیز اس حدیث کو حلیمی، قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہم نے بھی اپنی تصانیف میں وارد کیا ہے، شاید یہ ان حفاظ کی کتب میں سے کسی کتاب میں ہے جو ہم تک نہیں پہنچی۔[5]

یہ حدیث بلا سند ہے لیکن اس کے باوجود علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو نقل کر رہے ہیں اور کتب معتبرہ میں اس کا ہونا کافی جان رہے ہیں۔ اور یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان اجل ائمہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ حدیث ان کتابوں میں سندا ہو جو ہم تک نہیں پہنچی، یہاں یہ الگ بحث ہے کہ محدثین نے اس کے متقارب الفاظ کی اسانید بیان کی ہیں جس کا کافی بیان اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالۂ مبارکہ صفائح اللجین میں ہے۔

(۴) محدثین لا اصل له کا جملہ استعمال کرتے ہیں اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اس کی سند نہیں ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تدریب الراوی میں اس کا یہی معنی نقل فرمایا ہے۔[6]

اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے[7] حدیث علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل کے بارے میں علما کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۴)-فتاوی رضویه جلد۲۲ صفحه ۲۹۹.

(۵)-((الجامع الصغير)) جلد۱ صفحه ۲۶۷ رقم ۲۸۸ مطبوعه دار الفكر

(۶)-تدريب الراوي جلد۱ صفحه ۳٤٤ نوع معرفة المقلوب، دار الكلم الطيب دمشق، الطعبة الأولى ۱٤۲٦ھ

(۷)- علما نے وہ حدیث مشہور جس کی کوئی سند نہ پائی جائے اس کے لیے اسی حدیث کی مثال دی ہے دیکھیے : الفتح المغيث جلد ۳ صفحه ۳٦ ، اليواقيت والدرر في شرح نخبة ابن حجر جلد۱ صفحه ۲۷٦

اس کے بارے میں علما کے تین طرح کے کلمات ہیں۔

(۱) محدثین کی ایک بڑی تعداد نے مطلقا یہ ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، (یعنی اس کی کوئی سند نہیں ہے) اس سے زائد کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

(۲) بعض علما نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان الفاظ کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں، البتہ اس کا معنی ثابت ہے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق بآسانی ممکن ہے۔

(۳) جب کہ علما کی ایک تعداد اس کے مرفوع ہونے پر جزم کرتے ہیں۔

اس حدیث سے ہمارے موضوع پر استدلال اس طرح ہے کہ جن محدثین نے یہ کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل (سند) نہیں ان میں سے بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ کسی کتاب معتبر میں بھی نہیں پائی جاتی، جس کا واضح مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اگر کتاب معتبر میں ہوتی تو اس کے قبول میں حرج بھی نہیں تھا۔ بلکہ بعض وہ علما جو اس کے مرفوع ہونے پر جزم کرتے ہیں وہ اس کی سند نہ ہونے کے باوجود یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ کتب معتبرہ میں پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس کا کتب معتبرہ میں ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا اعتبار کیا جائے گا۔

عباراتِ علما ملاحظہ فرمائیں۔

امام دمیری، امام زرکشی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: لا أصل له، حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ الفاظ زائد فرمائے ہیں:

ولا إسناد بهذا اللفظ، و يغني عنه: "العلماء ورثة الأنبياء"، وهو صحيح.

اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان الفاظ کے ساتھ اس کی کوئی سند نہیں ہے، اور حدیث "العلماء ورثة الأنبياء" ہمیں اس سے مستغنی کر دیتی ہے، اور یہ دوسری حدیث صحیح ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ عبد الرؤف المناوی، علامہ عبد الرحمن بن علی الشیبانی، امیر کبیر المالکی، کرمی، حافظ زرقانی رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: "لا أصل له" ان میں سے بعض نے مطلقا ارشاد فرمایا اور بعض نے ماقبل علما کا حوالہ دے کر یہ بات ارشاد فرمائی۔[8]

---

(۸)-اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة صفحة ۱۲۰ رقم ۱٥٤، طبع المكتب الإسلامي ۱٤۱۷ھ فيض القدير جلد٤ صفحة ٤۸۸ھ بيروت

حضرت علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۰۱۴ھ) نے بھی "المصنوع" اور "الأسرار المرفوعة" میں علامہ دمیری، زرکشی اور عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے لکھا ہے: "لاأصل له"،
"الأسرار المرفوعة" میں مزید لکھتے ہیں: وسكت عنه السيوطي.
حافظ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا ہے۔(9)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ سکوت ان کی تصنیف لطیف الخصائص الکبریٰ میں ہے جس میں انہوں نے اس امت کی خصوصیت کا باب باندھا ہے لیکن اس میں یہ حدیث پاک ذکر نہیں کی عنقریب حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:
"قال الترمذي، وابن حجر، والزركشي: لاأصل له."(10)

الغماز کے مطبوعہ نسخہ دار الکتب العلمیہ میں ترمذی لکھا ہے اسی طرح میں نے الغماز کے دو قلمی نسخے دیکھے وہاں بھی اس حدیث کے تحت ترمذی ہی لکھا ہے، شاید یہ کسی ناسخ کی غلطی ہے کیونکہ کسی نے بھی امام ترمذی کا حوالہ نہیں دیا صرف الغماز میں ہی ترمذی مذکور ہے۔ ترمذی کی جگہ غالبا دمیری ہے۔

حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:
"قال شيخنا ومن قبله الدميري، والزركشي: إنه لاأصل له، زاد بعضهم: ولايعرف في كتاب معتبر"
یعنی ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر) اور ان سے قبل دمیری اور زرکشی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ان میں سے بعض نے یہ بھی مزید فرمایا: کہ یہ کسی معتبر کتاب میں بھی نہیں ہے۔(11)

حافظ طاہر پٹنی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "تذكرة الموضوعات" میں حافظ ابن حجر اور امام زرکشی کے حوالے سے اس کے بارے میں فرمایا:
"لا أصل له ولا يعرف في كتاب معتبر."(12)

محمد بن بشیر الظافری الازہری نے بھی حافظ ابن حجر، دمیری، زرکشی اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے لکھا ہے:
"لا أصل له، ولا يعرف في كتاب معتبر."(13)

علامہ محمد بن المفلح المقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۷۶۳ھ) اپنی تصنیف "الآداب الشرعية" میں فرماتے ہیں:
"وأما ما يذكره بعض الناس "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" فلم أجد له أصلا ولا ذكر له في الكتب المشهورة المعروفة ولا يصح."
یعنی بعض لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں کہ "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل"، اس کی مجھے کوئی اصل نہیں ملی، اور نہ ہی کتب مشہورہ معروفہ میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ یہ صحیح ہے۔(14)

یہ ان علما کی عبارات تھیں جنہوں نے اس کی اصل یعنی سند نہ ہونے کا ذکر کیا جب کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کسی کتاب معتبر میں بھی نہیں پائی جاتی۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں:
"قال بعضهم هذا الحديث لا أصل له ولكن معناه صحيح لماتقرر أن العلماء ورثة الأنبياء قاله ابن حجر في شرح الهمزية."
یعنی بعض علما نے یہ فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں مگر اس کا معنی صحیح ہے، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ علما وارث انبیا ہیں، یہ بات حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح الهمزية" میں ارشاد فرمائی۔(15)

اب ان علما کا کلام ملاحظہ فرمائیں جو اس کے مرفوع ہونے کے قائل ہیں۔

صاحب کشف الخفا حافظ عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علما سابقین کے

الطبعة الأولى ١٤١٦ھ تمييز الطيب صفحة ١٢١ رقم ٨٧١، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٨ھ الدرر المنتثرة صفحة ١٧٨ رقم ٢٩٣، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ شرح الزرقاني علي المواهب جلد ٧ صفحة ٣٩٠ الفوائد الموضوعة للكرمي صفحة ١٠١ رقم ٨١، طبع دار الوراق، النخبة البهية صفحة ١١ طبع المكتب الإسلامي

(٩)-الأسرار المرفوعة صفحة ١٥٩ رقم ٦١٤، المصنوع صفحة ١٢٣، رقم ١٩٦

(١٠)-الغماز على اللماز صفحة ١٤٥ رقم ١٥٧، دار الكتب العلمية الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ

(١١)- المقاصد الحسنة صفحة ٣٣٢ رقم ٧٠٠، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ١٤٢٧ھ

(١٢)-"تذكرة الموضوعات" صفحه ٢٠

(١٣)-تحذير المسلمين صفحة ١٤٣ رقم ٢١٢، دار الكلم الطيب الطبعة الأولى ١٤٣٦ھ

(١٤)-الآداب الشرعية ٢/٣٧، أحاديث في فضل العلم والعلماء مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى سنة ١٤١٩ھ

(١٥)-حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح صفحة ٤، مقدمة الكتاب.

حوالے سے اس حدیث کے بارے میں "لا أصل له" لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"وأنكره أيضا الشيخ إبراهيم الناجي، وألف في ذلك جزءا. وقال النجم: وممن نقله جازم بأنه حديث مرفوع الفخر الرازي، وموفق الدين بن قدامة، والأسنوي، والبارزي، واليافعي، وأشار إلى الأخذ بمعناه التفتازاني، وفتح الدين الشهيد، وأبو بكر الموصلي، والسيوطي في الخصائص، وله شواهد ذكرتها في حسن التنبيه لما ورد في التشبيه، انتهى، وقد يؤيده أنه الواقع."

یعنی ان کے علاوہ شیخ ابراہیم ناجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک جزء لکھا ہے۔ حافظ نجم الدین الغزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے اس حدیث کو نقل کیا اور اس کے حدیثِ مرفوع ہونے پر جزم کیا ان میں امام فخر الدین رازی، موفق الدین بن قدامۃ، اسنوی، بارزی، اور امام یافعی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ اور اس کے معنی کے صحیح ہونے کی طرف علامہ تفتازانی، فتح الدین الشہید، ابو بکر الموصلی اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہم نے الخصائص میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس کے شواہد میں نے "حسن التنبیہ لما ورد فی التشبیہ" میں ذکر کیے ہیں (علامہ غزی کا کلام مکمل ہوا، علامہ عجلونی فرماتے ہیں:) ان کا یہ کلام اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ حدیث واقع ہے۔[۱۶]

علامہ عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف "اتقان ما يحسن من الأخبار الدائرة على الألسن" کا کلام نقل کرکے یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی بحث یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔

حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث اپنی منفرد تصنیف "حسن التنبه لما ورد في التشبه" میں کی ہے، یہ کتاب ۱۲ر جلدوں میں دار النوادر قطر سے طبع ہوئی ہے اس کتاب کے نام میں علما کا اختلاف ہے، کتاب کے محقق کے مطابق خود مؤلف نے اس کا نام "حسن التنبه لما ورد في التشبه" لکھا ہے اور اسی نام سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ جبکہ بعض علما نے اس کا نام "حسن التنبيه لما ورد في التشبيه" بیان کیا ہے۔ کتاب کے مؤلف امام جلیل نجم الدین محمد بن محمد العامری الغزی المتوفی سنۃ ۱۰۶۱ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، اس کتاب کو آپ نے قریب چالیس سال میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں وہ فوائد وزوائد بیان کیے ہیں کہ جن کا بیان نہیں، اس میں آپ نے تشبہ پر تفصیلی کلام کیا ہے، کن سے تشبہ اختیار کرنا چاہیے، ان کی اقسام پھر ہر قسم کے خصال حمیدہ جو قابل تشبہ ہیں وہ ذکر فرمائے اور ہر ایک کے ضمن میں احادیث وآثار، اقوال ائمہ، حکایات، واشعار ذکر کیے ہیں، یونہی کن کے ساتھ تشبہ نہیں ہونا چاہیے ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کی جلد ۵ میں آپ نے انبیاے کرام علیہم السلام کے ساتھ تشبہ کا ذکر کیا ہے اور اسی ضمن میں آپ نے صفحہ ۲۶۹ سے ۲۸۶ تک حدیث مذکور پر کلام کیا ہے۔ حقیقتاً اس میں آپ نے شیخ برھان الدین ناجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رد کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کے ثابت ہونے کا انکار کیا ہے اور ایک جزء اس حوالے سے لکھا ہے جس میں دو طرح کے دلائل دیے ہیں، ایک اس حوالے سے کہ یہ حدیث احادیث کی کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی، دوسرا اس سے علماے امت کا انبیاے کرام علیہم السلام کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔

علامہ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں باتوں کا جواب ارشاد فرمایا دوسری بات کہ اس سے انبیا اور علما میں تسویہ لازم آتا ہے اس کا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفصیل کے ساتھ شافی جواب دیا ہے کہ تشبیہ کی وجہ سے ہرگز برابری لازم نہیں آتی۔ رہی پہلی بات کے یہ حدیث کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی اس کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"وأما من حيث النقل فإن العلماء الذين نقلوه حديثا ثقات، فالأولى حمل أمرهم على أنهم ظفروا به مسندا، ولم نظفر نحن به، على أن لهذا الحديث شواهد سنوردها قريبا -إن شاء الله تعالى-"

یعنی بہر حال نقل کے اعتبار سے تو بے شک وہ علما جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے وہ ثقہ ہیں، تو اولی یہ ہے کہ ان کا معاملہ اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنداً پایا، اور ہم اس کو نہ پاسکے، علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جنہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب بیان کریں گے۔[۱۷]

بعدہ آپ نے معنی کے اعتبار اس کی مؤید احادیث طیبہ ذکر کی ہیں۔

....(جاری)

(۱۶)-كشف الخفاء ۷۵-۲/۷۴ رقم ۱۷۴٤، المكتبة العصرية، بيروت، ۱٤۲۷ھ

(۱۷)-"حسن التنبه لما ورد في التشبه" ۵/۲۷۱

تحقیق وتنقید

علمِ اصولِ حدیث کی اہمیت

افتخار احمد عطاری مدنی

کسی بھی علم کی اہمیت کا اندازہ اس علم کے موضوع سے لگایا جاسکتا ہے۔ علم اصول حدیث کا موضوع سند و متن یعنی حدیث ہے اور حدیث کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شریعت کے بہت سے احکام جس طرح قرآن پر مبنی ہیں اسی طرح حدیث بھی احکام شرعیہ کا ایک اہم ترین ماخذ ہے۔ چنانچہ اس مقدمہ کو چار حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) ...ضرورتِ حدیث (۲)... حجیتِ حدیث (۳)... تدوینِ حدیث (۴)...سندِ حدیث کی اہمیت۔

(۱)...ضرورت حدیث: قرآن کریم مکمل ضابطۂ حیات ہے اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں رہنمائی موجود ہے مگر اسے سمجھنا آسان نہیں جب تک کہ احادیثِ معلّمِ کائنات سے مدد حاصل نہ کی جائے۔ مثال کے طور پر اسلام کے ایک اہم ترین رکن نماز ہی کو لیجئے، قرآن کریم میں کم وبیش سات سو(۷۰۰) مقامات پر اس کا تذکرہ ہے اور کئی مقامات پر اس کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ} (نماز قائم کرو)۔

چناں چہ اب یہ سمجھنا کہ "صلاۃ" ہے کیا، اسے کس طرح قائم کیا جائے یہ صرف عقل پر موقوف نہیں اور اگر اس کا معنی سمجھنے کے لیے لغت کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں صرف لغوی معنیٰ ملیں گے اور اس کے لغوی واصطلاحی معنیٰ کے مابین بہت فرق ہے۔

الغرض اس کے اصطلاحی معنی ہمیں صرف احادیث یعنی سرکار ﷺ کے اقوال وافعال واحوال سے ہی سمجھ میں آسکتے ہیں اسی طرح قرآن کریم کے دیگر احکامات کو سمجھنے کے لیے نیز زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں ہادیِ برحق ﷺ کی رہنمائی کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قرآن کریم سکھانے اور انہیں ستھرا کرنے کے لیے نبیِ آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا، چنانچہ ربّ عزوجل فرماتا ہے:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.
(آل عمران:۱۶۴)

"ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔" [کنزالایمان]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے حدیثِ رسول ﷺ سے رہ نمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔ اگر قرآن کریم مطلقاً آسان ہوتا اور اسے بغیر رہنمائی کے سمجھا جاسکتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سمجھانے کے لیے خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کو بطورِ معلّمِ کائنات مبعوث کیوں فرماتا؟ نیز قرآن کریم کے آسان ہونے کے باوجود کسی سکھانے والے کو بھیجنا عبث قرار پاتا حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اس کی طرف کوئی عبث وفضول راہ پائے۔

(۲)... حُجِّیت حدیث: یاد رہے کہ جس طرح قرآن احکامِ شرع میں حجت ہے اسی طرح حدیث بھی۔ اور اس سے بہت سے احکامِ شریعت ثابت ہوتے ہیں۔ چناں چہ رب عزّوجلّ فرماتا ہے:

"وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو"۔ [کنزالایمان]

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم ص ﷺ جو کچھ عطا فرما دیں وہ لے لیا جائے چاہے وہ قول کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں "خُذُوْهُ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان پر عمل ضروری ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى.
(النجم:۳-۴)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے"[کنزالایمان]

لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا احکامِ شریعت کے بارے میں فرمان وحیِ الٰہی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے رب کا کوئی حکم جاری فرمانا۔ ایک جگہ یوں فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (النساء:۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

[کنزالایمان]

سرکار ﷺ کی اطاعت کو رب نے اپنی اطاعت فرمایا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اطاعت حکم (قول) کی ہوا کرتی ہے تو معلوم ہوا کہ سرکار ﷺ کا فرمان (حدیث) حجتِ شرعی ہے کہ جس کی اطاعت کو رب نے اپنی اطاعت فرمایا۔ حاصل یہ کہ حدیث حجت شرعی ہے اور اس کا حجت ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

(۳)...تدوینِ حدیث: تدوین حدیث (حدیث کو جمع کرنے) کا سلسلہ عہدِ رسالت ﷺ سے لے کر تبع تابعین تک مسلسل جاری رہا۔ اگرچہ ابتدائی دور میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو احادیث لکھنے سے منع فرمادیا تھا کیوں کہ ابتدائی دور آیاتِ قرآنیہ کے نزول کا دور تھا لہٰذا اس دور میں صرف قرآن کریم کو ہی ضبطِ تحریر میں لانا اہم ترین کام تھا، اور ﷺ احادیث لکھنے سے منع فرماتے تھے تاکہ قرآن اور احادیث میں التباس نہ ہوجائے آپ ﷺ نے فرمایا:

" لَاتَکْتُبُوْا عَنِّیْ وَمَنْ کَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُہٗ "

میرا کلام نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے سن کر لکھا وہ اسے مٹادے۔ (صحیح مسلم شریف، کتاب الزہد، جلد ۲، ص ۴۱۴)

لیکن جوں ہی نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہوا اور التباس کے خطرات باقی نہ رہے تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چناں چہ امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"کَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یَجْلِسُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَیَسْمَعُ مِنْہُ الْحَدِیْثَ فَیُعْجِبُہٗ وَلَا یَحْفَظُہٗ فَشَکَا ذٰلِکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ "اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ وَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ اِلَی الْخَطِّ"

ترجمہ: "انصار میں سے ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا پھر آپ ﷺ کے ارشادات سنتا اور خوش ہوتا اور انہیں یاد نہ رکھ سکتا تو اس نے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں اس بات کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور ساتھ ہی اپنے دست مبارک سے لکھنے کا اشارہ فرمایا"۔

ایک اور حدیث نقل کرتے ہوئے امام ترمذی فرماتے ہیں، صحابۂ کرام حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"مَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَحَدٌ أَکْثَرُ حَدِیْثاً مِنِّیْ اِلاَّ مَا کَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَاِنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ وَلَا أَکْتُبُ"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ احادیث محفوظ کرنے والا نہیں کیوں کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (جامع ترمذی)

لہٰذا معلوم ہوا کہ تدوین حدیث کا سلسلہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد مبارک ہی سے جاری ہوا اور سرکار ﷺ نے بذات خود اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرح تدوین حدیث کا یہ سلسلہ تابعین کے دور میں بھی جاری رہا، ان تابعین میں حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد بن جبیر مکی، حضرت قتادہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے جلیل القدر تابعین بھی شامل ہیں۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

تابعین کے بعد تیسری صدی ہجری میں ان مشاہیر علما نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا۔ علی بن المدینی، یحیی بن معین، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، محمد بن جریر طبری، ابن خزیمہ، اور اسحاق بن راہویہ۔ ان کے بعد امام بخاری و مسلم اور دیگر کئی محدثین نے تدوین حدیث کا کام کیا۔ امام بخاری و مسلم، علی بن المدینی، یحیی بن معین اور اسحاق بن راہویہ کے شاگردوں میں ہیں۔

یاد رہے کہ ہر بات جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے حدیث نہیں ہو سکتی بلکہ اس بات کے ثبوت کے لیے کہ یہ حدیث ہے یا نہیں اس کی سند دیکھی جاتی ہے یعنی اس حدیث کے راویوں (بیان کرنے والوں) کے حالات و صفات و دیگر لوازمات دیکھے جاتے ہیں،

مثلاً ان کا ایک دوسرے سے سماع (حدیث سننا) ثابت ہے بھی یا نہیں اور آیا یہ سلسلہ حضور ﷺ تک متّصل ہے یا نہیں۔ راویوں کے اسی سلسلے کو سند یا اسناد کہتے ہیں چوں کہ اس سے حدیث کی صحت وسقم یعنی اس کے صحیح وغیر صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اسی لیے علما و محدثین نے اس اہم ترین موضوع کے لیے باقاعدہ ایک مستقل فن "علم اصول حدیث" مدون فرمایا جس کے ذریعے انھوں نے احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ کو الگ الگ کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔

علم اصول حدیث میں اگرچہ سند و متن دونوں سے بحث کی جاتی ہے لیکن متنِ حدیث کے مقابلے میں سندِ حدیث پر بہت زیادہ کلام کیا جاتا ہے لہٰذا ہم یہاں سندِ حدیث کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔

۴۔ سند حدیث کی اہمیت:

☆... حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ:

"الاِسْنَادُمِنَ الدِّیْنِ لَوْلَاالاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ.

یعنی اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہتا۔" (فتح المغیث)

☆... انھیں سے مروی ہے کہ:

"مَثَلَ الَّذِيْ یَطْلُبُ اَمْرَ دِیْنِهٖ بِلاَ اِسْنَادٍ کَمَثَلِ الَّذِيْ یَرْتَقِيْ السَّطْحَ بِلاَ سُلَّمٍ.

یعنی اس شخص کی مثال جو اپنے کسی امر دینی کو بلا اسناد طلب کرتا ہے اس کی طرح ہے جو سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنے میں لگا ہو۔"

☆... انھیں سے منقول ہے کہ:

بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ: یَعْنِي الاِسْنَادَ .

یعنی ہمارے اور دیگر لوگوں کے درمیان قابل اعتماد چیز اسناد ہے (فتح المغیث و مقدمۂ مسلم)

☆... اور امام شافعی علیہ الرحمۃ الکافی سے منقول ہے کہ:

"مَثَلَ الَّذِيْ یَطْلُبُ الْحَدِیْثَ بِلاَ اِسْنَادٍ کَمَثَلِ حَاطِبِ لَیْلٍ

یعنی اس شخص کی مثال جو بلا سند حدیث کو طلب کرتا ہے اس کی مانند ہے جو اندھیری رات میں لکڑیاں تلاش کرتا ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ جو شخص اندھیری رات میں لکڑیاں تلاش کرتا ہے تو پھر ان لکڑیوں کے علاوہ دیگر چیزیں بھی اٹھا لیتا ہے یعنی اندھیرے کی وجہ سے وہ امتیاز نہیں کرپاتا کہ میں لکڑیاں اٹھا رہا ہوں یا کوئی اور چیز۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جو حدیث میں کلام کو خلط ملط کر کے پیش کرتا ہے)۔(فتح المغیث)

☆... اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ:

"الاِسْنَادُ سِلاَحُ الْمُؤْمِنِ فَاِذَا لَمْ یَکُنْ مَعَهٗ سِلاَحٌ فَبِاَيِّ شَيْءٍ یُقَاتِلُ.

یعنی اسناد مومن کا ہتھیار ہے اگر اس کے پاس ہتھیار ہی نہیں ہوگا تو وہ کس چیز کی مدد سے لڑے گا۔" (فتح المغیث)

☆... بقیہ نے کہا کہ میں نے حضرت حماد بن زید کو چند احادیث سنائیں تو انھوں نے فرمایا کہ:

"مَا أَجْوَدَهَا لَوْ کَانَ لَهَا اَجْنِحَةٌ یَعْنِيْ الاَسَانِیْدَ

کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان احادیث کے پر و بازو بھی ہوتے یعنی اسانید کے ساتھ ذکر کی جاتیں۔ (فتح المغیث)

☆... اور مطر نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان {وَاَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ} (الاحقاف:۴۶) کے بارے میں کہا کہ اس سے مراد اسناد حدیث ہے۔ (فتح المغیث)

☆... جب امام زہری کو کسی اسحاق بن ابوفروہ نامی شخص نے بغیر اسناد کے چند احادیث سنائیں تو آپ نے اس سے فرمایا: "قَاتَلَكَ اللّٰهُ یَا ابْنَ أَبِيْ فَرْوَةَ! مَا أَجْرَأَكَ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا تُسْنِدَ حَدِیْثَكَ، تُحَدِّثُنَا بِأَحَادِیْثَ لَیْسَ لَهَا خُطُمٌ وَلَا أَزِمَّةٌ یعنی اے ابن ابوفروہ! تجھے اللہ تباہ کرے تجھے کس چیز نے اللہ پر جری کر دیا ہے؟ کہ تیری حدیث کی کوئی سند نہیں، تو ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جن کی نکیل ہے نہ لگام۔(معرفۃ علوم الحدیث)

نوٹ: خطیب کا قول ہے:

"وَاَمَّا أَخْبَارُ الصَّالِحِیْنَ وَحِکَایَاتُ الزُّهَّادِ وَالْمُتَعَبِّدِیْنَ وَمَوَاعِظُ الْبُلَغَاءِ وَحِکَمُ الأُدَبَاءِ فَالْاَسَانِیْدُ زِیْنَةٌ لَهَا وَلَیْسَتْ شَرْطاً فِيْ تَأْدِیَتِهَا"

مفہوم یہ ہے کہ صالحین و زاہدین و بزرگان دین کے فضائل کے قصوں کے لیے سند شرط و ضروری نہیں ہاں ایک طرح کی زینت و اضافی خوبی ہے۔

مذکورہ اقوال سے علم اصولِ حدیث کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آج اس علم کی جانب خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

جرمانہ لینا کیسا ہے؟

پونہ ماہ. بنشور علاقے میں نوگاؤں کا ایک سماج ہے، اس سماج میں چند حضرات لیڈروں سے تعلق رکھتے ہیں اور لیڈروں نے کسی غرض کی بنا پر ایک مسجد پہ یہ پابندی عائد کی ہے کہ جو کوئی اس مسجد میں نماز پڑھے گا اس کو سماج سے باہر کر دیا جائے گا اور پچیس ہزار روپے جرمانہ بھی دینا پڑے گا۔

مسجد میں اس طرح کی پابندی عائد کرنا کیسا ہے؟

الجواب

جو مسجد شرعاً مسجد ہو مسجدِ ضرار نہ ہو، اس پر پابندی لگانا اور اس میں نماز وعبادت سے اللہ کے بندوں کو روکنا حرام و گناہ ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا.

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں ذکرِ الٰہی کیے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔

اور جرمانہ لینا جرم پر بھی حرام ہے اور بغیر جرم کے سخت حرام و گناہ۔ جن لوگوں نے مسجدِ شرعی پر ایسی پابندی عائد کی ہے وہ فوراً یہ پابندی ختم کریں اور تائب ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سگی بھانجی سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

(۱) زید نے اپنی سگی بھانجی کے ساتھ دوسرے شہر میں نکاح کیا اور زندگی بسر کر رہا ہے، بہت سارے لوگوں کے سمجھانے کے باوجود باز نہیں آیا۔ اب کیا کیا جائے؟

(۲) زید کا باپ جو لڑکے کے ساتھ نکاح میں موجود تھا اور جان بوجھ کر ساتھ دیا اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ اس کی نمازِ جنازہ میں محلے والے، رشتے دار کو شامل ہونا جائز ہے؟ کیا زید کا باپ اگر مرتے وقت توبہ بھی کر لیتا تو اس کی جنازے کی نماز ٹھیک ہے اور جو نمازِ جنازہ پڑھ چکے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) بھانجی (بہن کی لڑکی) کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَبَنٰتُ الْاُخْتِ" حرام کی گئیں تم پر بہن کی بیٹیاں (بھانجیاں) (قرآن حکیم)۔

عام طور پر مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس حرمت کا علم ہے، اگر زید اور اس کی بھانجی کو بھی یہ علم ہو تو ان کا نکاح حرام و باطل ہوا، یعنی کالعدم۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں کا سخت بائیکاٹ کر دیں، ان کے ساتھ کھانا، پینا، سلام، کلام، اٹھنا، بیٹھنا سب بند کر دیں۔ یہاں تک کہ یہ دونوں الگ ہو جائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) زید کا باپ سخت گناہ گار اور دیوّث ہے، مگر اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہ ہوا کہ بہ اجماعِ اہلِ سنت ارتکابِ کبیرہ کے باعث مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے، اس لیے اس کی نمازِ جنازہ مسلمانوں پر فرض تھی، اگرچہ اس نے توبہ نہ کی ہو، لہٰذا امام کے جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ انھوں نے فرضِ کفایہ ادا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر کی لاش ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

قطب الاقطاب، مجددِ دوراں، سید شاہ محمد عطاء الرحمٰن نقش بندی مجددی قادری چشتی سہروردی قلندری کبیریہ مداریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جن کا روضۂ مبارک سری پور، آسنسول مغربی بنگال میں ہے) کے دوسرے باکمال خلیفہ اور بہت بڑے ولی اللہ حضرت محمد اسحاق عطاف نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۲۰۰۴ء میں ہوا تھا۔ ان کے گھر کے کچھ افراد اور بیٹی، داماد جو دیوبندی خیالات کے تھے، سبھوں نے یہ ضد ہو کر ایسے باکمال خلیفہ کو ایک قبرستان میں دفن کر دیا ہے، جہاں

دیوبندیوں کا بول بالا ہے۔ہم لوگوں کو وہاں درود و فاتحہ پڑھنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ چادر پوشی کرنے، یا مزار کی شکل دینے میں بھی لوگوں کو اعتراض ہے۔ خاص کر صاحبِ سجادہ مولانا ڈاکٹر حضرت سید شاہ محمد ولی الرحمٰن عطائی نقش بندی مجددی مد ظلہ العالی کو زیادہ دلی کوفت ہوتی ہے۔ چوں کہ اس موقع پر (وصال کے وقت) حضرت صاحبِ سجادہ وہاں تشریف فرما نہ تھے اور کسی خاص کام میں مصروف تھے۔ ساتھ ہی یہ دیکھ کر دل گریہ وزار ہو جاتا ہے کہ جب ان کی قبر شریف کے ارد گرد دیوبندیوں اور دیگر مسلمانوں کی قبریں سٹتی جا رہی ہیں اور قبر شریف کی بے ادبی ہو رہی ہے۔ اس لیے ہم لوگوں کی یہ دلی خواہش ہے کہ ایسے باکمال خلیفہ اور اللہ کے ولی کی قبر شریف ادب کے ساتھ ان کی اپنی زمین پر منتقل کر دی جائے۔

قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں کے حوالے سے جو حق جواب ہے، اسے تحریر فرما کر بھیجنے کی زحمت گوارا کریں تاکہ ہم لوگ حق پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے عمل کی طرف مائل رہیں۔

الجواب

آپ نے مدفون خلیفہ اور ولی اللہ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے جو عذر پیش کیا ہے وہ کوئی عذر شرعی نہیں، لہٰذا صرف زیارتِ قبر و فاتحہ کی آسانی کے لیے وہاں سے انھیں منتقل کر کے دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ بچے کو دفن کر دیا گیا اور ماں اسے دیکھنا چاہتی ہے تو اس کے لیے قبر کو کھولنا جائز نہیں اور جب زیارتِ ولد کے لیے محض قبر کھولنا جائز نہیں تو زیارتِ قبر کے لیے مدفون کو ایک قبر سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں کہ قبرستان کے کنارے کھڑے ہو کر زیارتِ قبور و فاتحہ خوانی بہر حال ممکن ہے، جب کہ زیارتِ ولد بغیر قبر کھولے ممکن نہیں۔ طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

”فی المضمرات: النقل بعد الدفن علیٰ ثلاثة أوجه في وجه يجوز باتفاق، وفي وجه لا يجوز باتفاق، وفي وجه اختلاف . أما الأول فهو إذا دفن في أرض مغصوبة أو كفن في ثوب مغصوب ولم يرض صاحبه الا بنقله من ملكه أو نزع ثوبه جاز أن يخرج منه باتفاق.

واما الثاني : الأم إذا أرادت أن تنظر إلیٰ وجه ولدها أو نقله إلیٰ مقبرة أخریٰ لا يجوز باتفاق.

واما الثالث: إذا غلب الماء على القبر ، فقيل يجوز تحويله. لما روى أنّ صالح بن عبد الله رائی فی المنام وهو يقول: حوّلونی عن قبري فقد آذاني الماء ، ثلاثً فنظروا فإذا شقه الذی یلی الماء قد اصابه الماء فافتیٰ ابن عباس رضی الله عنهما بتحويله وقال الفقيه أبو جعفر : يجوز ذلك أيضا ثم رجع و منع.اھ.“ (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، ص:۳۷۲، ج:۱، مصری) واللہ تعالیٰ أعلم

جادو ٹونا کرنا حرام و گناہ ہے

میری دادی حسن نبوت خاتون مرحومہ پر تہمت لگائی گئی کہ یہ ٹونا کرنے والی عورت ہے اور میں اس عورت کا پوتا محمد اسلم حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میری دادی کبھی بھی ایسی نہیں تھیں۔ میری دادی نیک اور صوم و صلاۃ کی پابند تھیں اور جب میری دادی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو لوگ کہنے لگے کہ یہ اپنا ٹونا اپنی بہو کو دے کر گئی ہے (یعنی میری ماں کو) اس طرح لوگ میری ماں کو بھی ٹونا کرنے والی عورت کہنے لگے۔ اس نیک اور پارسا عورت پر بھی بہتان تراش دیا۔

ہم سے قطع تعلق کرنے والے اور ماں پر تہمت و ایذا رسانی کرنے والوں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب صادر فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔ فقط والسلام

الجواب

ٹونا کرنا حرام و گناہ ہے اور ٹونا کرنے والا گنہ گار و مستحق غضبِ جبار ہے، اس لیے کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کی طرف ٹونا کرنے کی نسبت صرف اسی وقت جائز ہے جب اس کے پاس شرعی گواہ ہوں، بلا ثبوتِ شرعی اور بلا تحقیق کسی کی طرف گناہ کی نسبت جائز نہیں، یوں ہی بدگمانی بھی حرام و گناہ ہے، احیاء العلوم میں ہے:

”لا تجوز نسبة مسلم إلیٰ كبيرة من غير تحقيق كذا في شرح فقه الأكبر وغيره.“

جن لوگوں نے سوال میں درج عورتوں پر ٹونا کرنے کا الزام لگایا اور انھیں معاشرہ میں بدنام کیا، وہ لوگ اس پر دو شرعی گواہ پیش کریں، ورنہ علانیہ توبہ کریں اور جن پر یہ الزام لگایا ان سے اور ان کے گھر والوں سے معافی مانگیں اور خدائے جبار و قہار کی پکڑ سے ڈریں کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

فکر و عمل کی تطہیر کا عزمِ نو

ابو الحسن فضیل رضا العطاری

موجودہ مسلمان کی نگاہوں میں اسلامی اخلاق و آداب کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے اسلامی فکر و فلسفہ سے آشنائی جو ہر مسلمان کی اسلامی زندگی کے لیے اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے آج کا مسلمان اس سے اتنا غافل ہوچکا ہے کہ دینی ذمہ داریوں کا خیال بھی دل میں نہیں آتا اسلامی اخلاق و آداب سے تہی دامن اور فہم دین سے خالی دماغ رکھنے والوں کی عملی صورت حال یہ ہوچکی ہے کہ دینی ضروری مسائل اور ان کے مطابق عمل کرنے کی باتیں ان میں گردش نہیں کرتیں تقوی و پرہیز گاری اور قرآن و سنت کے واضح پیغامات ان کی گفتگو کا موضوع نہیں بنتے بلکہ بے سروپا سیاسی تجزیے ،بے ہودہ اور فاسقانہ خیالات، میڈیا کے ذریعہ دکھائے جانے والے فحش ڈرامے ، فلمیں اور کھیل کود، نت نئے فیشن اور مختلف قسم کے فضول چرچے اب بات چیت کے مرکزی نکات ہوتے ہیں۔

دین اور دنیا کے لیے جوبات نفع مند اور باعث نجات ہے اس پر قانع ہونے کی بجائے نقصان دہ بات جسے ان کا نفس حسین و جمیل صورت میں دکھائے بغیر سوچے سمجھے قبول کرلیتے ہیں اور شیطان انھیں دنیاوی لذات کی دل فریبیوں میں الجھاکر گمراہی کی دعوت دے تو اس کی آواز پر بھی لبیک کا نعرہ مارنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خلاف اسلام نظریات اور اسلامی شریعت کے واضح احکامات پر کیے گئے اسلام دشمنوں کے حملے اور اعتراضات تک کان لگاکر توجہ سے سنتے ہیں اور انھیں دینی اعتبار سے اپنے کمزور دل و دماغ میں پروان چھڑاتے ہیں۔

میں علی الاطلاق سب کی بات نہیں کررہا موجودہ تناظر میں غالب اکثریت کی صورت حال بیان کررہا ہوجس سے ہر ذی فہم اچھی طرح واقف ہے۔کردار کی اس تنزلی کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے انسان کا فطرتاً تساہل پسند ہونا، جہالت کے باجود مطمئن رہنا، جدت پسند اور جلد باز واقع ہونا بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان پر نظر رکھ کر بچنے کا معقول بندوبست نہ کیا جائے تو گمراہی کا پھاٹک بڑی تیزی سے کھلتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے نام نہاد ترقی یافتہ قوم کی مادی ترقی اور چمک دمک سے اولا نگاہوں پر پردہ پڑتا ہے اور ان کی برائیاں بداعتقادیاں بداعمالیاں دکھائی نہیں دیتیں پھر اسی غفلت میں مبتلا رہنے سے دل و دماغ اندھے ہوجاتے ہیں اور فہم و فکر کی صحت خراب ہوجاتی ہے یوں کافی بڑی تعداد میں لوگ گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔

مزید اختصار کے ساتھ کہا جائے تو اس کا سبب " دنیا کی آسائشوں اور ساز و سامان پر یہود و نصاری کی طرح فریفتہ ہونا دنیا کی محبت میں مبتلا ہوکر آخرت اور اس کی تیاری کو بھول جانا ہے" ۔

ہمارے نبی مکرم حضرت ﷺ جو اللہ تعالی کی عطا سے غیب کا علم رکھنے والے ہیں اس خوفناک صورت حال اور اس کے بنیادی سبب کی نشاندہی پہلے ہی فرما چکے ہیں۔

چنانچہ حدیث کی مشہور و معتبر کتاب بخاری شریف میں آپ کا فرمان موجود ہے : اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا و تھلککم کما اھلکتھم.

یعنی مجھے تم پر اس بات کا خوف ہے کہ گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی دنیا کشادہ ہوجائے گی اور (حب دنیا میں مبتلا ہوکر) تم اس کے حصول میں دلچسپی لوگے جیسا کہ ان پچھلی امتوں نے دلچسپی لی تھی اور گذشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاک ہوجاؤ گے۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری جلد ۱۰ص ۵۰۴ دار الفکر بیروت)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مشہور صوفی بزرگ اور اہل اللہ میں بلند مقام رکھتے ہیں ،دنیا کو دین و آخرت پر ترجیح دینے والے کی علامت و نشانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

من علامة حب الدنيا ان يكون دائم البطنة قليل الفطنة همته بطنه وفرجه يقول متى اصبح فالهو والعب وآكل واشرب متى امسى فانام جيفة بالليل بطال بالنهار.

"حب دنیا کی علامت یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ شکم سیر، کم غور کرنے والا ہو، اس کی ہمت اس کے پیٹ اور شرم گاہ پر محدود ہو وہ کہتا ہو کہ کب صبح ہو کہ میں کھیلوں کودوں کھاؤں پیوں اور کب شام ہو کہ آرام کروں. الغرض یہ کہ رات کو مرداروں کی طرح پڑا رہے (نہ عشا کی نماز پڑھ کر سوئے نہ نماز فجر پڑھنے کے لیے اٹھے) دن بھر (اللہ کی یاد سے غافل اور فرائض وواجبات کی ادائیگی سے کاہل اور) بیہودہ کاموں میں مشغول رہے یا بیکار پڑا رہے"۔ (طبقات کبری صفحہ ۵۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

میڈیا کا بھی اس بگاڑ میں بہت اہم رول ہے۔ اکثریت چاہے دنیاوی تعلیم یافتہ ہو یا نری ان پڑھ۔ چونکہ دینی ضروری مسائل سے ناواقف ہے اس لیے نت نئی ایجادات کے ذریعہ جو بھی برائی ان تک پہنچتی ہے اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کا یہ منفی ہلاکت خیز پہلو ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے علما و مشائخ اور باشعور مسلمان اگرچہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ اس تباہی سے آگاہ کرتے ہیں مگر اکثریت کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ضمیر انھیں بیداری کی دعوت دیتا ہے مگر وہ ضمیر کی آواز دبانے کے لیے اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں، جاگنے کے باجود آنکھیں بند کر کے منہ اوندھا کیے غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون مایاتیهم من ذکر من ربهم محدث الا استمعوه وهم یلعبون لاهیة قلوبهم. (سورۃ الانبیاء آیت ۱.۲)

ترجمہ لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں جب ان کے رب کے پاس سے انھیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے ان کے دل کھیل میں پڑے۔

اس آیت مبارکہ میں مشرکین کا ذکر ہے جو یہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ کوئی زندگی نہیں ہوگی کوئی حساب کتاب نہ ہوگا موج مستی میں لگے رہوں جو چاہے کرو سب آزادی ہے وہ نصیحت کی باتیں غافل دلوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول رہتے ہوئے سنتے تھے افسوس و دکھ کی بات ہے آج کا مسلمان لہو ولعب میں انھیں کی طرح مشغول ہے نصیحت کی باتیں سننے کے لیے اس کے پاس بھی وقت نہیں آخرت پر یوم جزا پر اس کا ایمان تو ہے مگر وہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اسے اللہ کی یاد اور اعمال صالحہ کی دعوت نہیں دیتا۔

جس طرح غیر مسلم اقوام مادر پدر آزادی کا نعرہ لگا کر بے غیرتی اور فحاشی کی لت میں مبتلا ہو چکی ہیں اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہی آج کا مسلمان بھی آخرت کی فکر اور اس کی تیاری سے منہ موڑ کر دنیائے فانی کو آخرت کی حیات جاودانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبد القیوم صاحب کا مضمون رونامہ نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا جو واقعی لائق توجہ ہے مغرب کی اندھی تقلید کرنے والوں کو ہوش میں لانے کے لیے اس میں کافی سامان ہے مختصراضروری مضمون نقل کیا جارہا ہے۔

"سیکنڈے نیویا (ناروے ڈنمارک سویڈن) میں فری سیکس کا قانون ہے سال ۲۰۰۱ میں جب میں بطور چیئرمین نوبل گروپ آف کمپنیز سویڈن کے شہر سٹاک ہوم گیا تو وہاں ایک پارک میں میں نے ایک ادھیڑ عمر عورت کو ننگے پھرتے دیکھا میں نے اپنے میزبان سویڈن میجر سورن سے تذبذب میں پوچھا کہ اگر یہ عورت پاگل ہے تو اس کو ہسپتال داخل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ پاگل نہیں یہ تو ایک آزاد شہری ہے اور اپنی زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے ہمیں اس سے کیا غرض، یہاں کا قانون اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالی نے تو گائے، بھینس اور گدھی کو بھی اپنی شرم گاہیں چھپانے کے لیے دُم دی ہے اور انسانوں کو عقل بخشی ہے کہ وہ لباس میں رہیں لیکن مغربی تہذیب تو لگتا ہے کہ حیوانیت سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ بدقسمتی سے اب یہ کینسر ہمارے معاشرے میں بھی بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔

میں اپنی مرحوم بیگم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہوں چار عشروں (چالیس سال) کی رفاقت میں میں نے ان کے سر سے دوپٹہ سرکتے نہیں دیکھا۔ صرف ۶۶؍ سال کے بڑھاپے میں ہی نہیں بلکہ ۲۴؍ سال کی جوانی میں میں بھی۔ بدقسمتی سے اب پاکستانی معاشرے میں بھی بے حیائی عام ہوتی جا رہی ہے۔ کیبلز پر انتہائی واہیات پروگرام دیکھ کر اب ٹیلی ویژن پر شرم سے عاری اشتہار بھی مہذب لگنے شروع ہو گئے ہیں، پیمرا (میڈیا کو کنٹرول کرنے والا ادارہ) بالکل غیر موثر اور ناکارہ ہو چکا ہے یا ان کے اندر بے حیائی کو روکنے کی وہ طاقت نہیں رہی جس کا ان کا منصب متقاضی ہے۔ صرف احکامات نکال کران پر عمل کی یقین دہانی نہ کرانے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ اس بے حیائی کو دیکھ کر ہمارے جوان اور بچے جو ہمارا ایک انمول سرمایہ ہیں، اخلاقی پستی کا شکار ہو رہے ہیں حیا کا پردہ پھٹ جائے تو انسان بے حیائی کے گہرے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

موبائل، ٹیلی فون، انٹرنیٹ، اور کیبلز نیٹ ورک کے غلط استعمال

سے ہماری نسل اخلاقی طور پر اس طرح تباہ ہو رہی ہے جیسے رانی کھیت کی بیماری سے لاکھوں مرغے اور مرغیاں ایک دم ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کیا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جوان بیٹیاں اور بہنیں ناجائز بچوں کو جنم دیں؟ ٹی وی اسکرینوں پر ہندوستانی اور مغربی عریانی کے افسوس ناک مناظر دیکھ کر ہمارے بچے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ جوان نسل اگر بے راہ روی کا شکار ہو گئی تو مستقبل کا محافظ کون ہو گا؟

۸ ؍ مئی کے ایک اردو اخبار میں یہ خبر پڑھ کر میرا کلیجہ منہ کو آ گیا کہ ضلع صوابی کے ایک گاؤں میں ایک ماں نے اپنی جوان بیٹی کو تیزاب پلا کر موت کی نیند سلا دیا اور بیٹی نے اپنی ماں کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ وجہ یہ تھی کنواری بچی ماں بننے لگی تھی۔ ایک اور خبر کے مطابق پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں کی ایک خاتون ڈاکٹر گائنا کالوجسٹ نے اسلام آباد کے ایک نہایت قابل احترام اور معروف صحافی انصار عباسی کو ٹیلی فون پر بتایا کہ چھوٹی کنواری بچیاں اور ان کی مائیں اسقاط کرانے کے لیے آتی ہیں۔ اور ایک ماں نے تو ڈاکٹر صاحبہ کو بتایا کہ اگر آپ نے ہماری بات نہ مانی تو ہم اپنی بچی کو زہر پلا دیں گے۔ قارئین ہمارے معاشرے کو تباہ کرنے والا خطرناک وائرس یہی ہے۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ معاشرے کی اس تباہ کن پستی کی طرف کسی کا بھی کوئی دھیان نہیں نام نہاد روشن خیال والدین بھی اپنی اولاد کے ساتھ ٹی وی اسکرینوں کے سامنے بیٹھ کرواہیات گفتگو اور بے حیا مناظر کا یہ گند ہضم کر جاتے ہیں۔ ٹی وی چینلز اور کیبل آپریٹر صرف کمائی کے دھندے میں مصروف ہیں۔ قلم کاروں کو یہ معاشرہ کش دیمک نظر ہی نہیں آ رہی اور حکومت اور پیمرا کی ترجیحات تو بالکل مختلف ہیں۔ ملک کے صدر کے پارلیمانی نظام میں کوئی قانونی اختیارات نہیں، وزیر اعظم کو ملک کی اعلی ترین عدالت مجرم قرار دے چکی ہے، سینٹ کے چیئرمین اور قومی اسمبلی کی اسپیکر غیر جانبدار رہنا بھی چاہیں تو موجودہ نظام میں ایسا ممکن نہیں۔ برصغیر پاکستان صرف پاکیزہ اور نیک ماؤں اور بہنوں اور بزرگوں کی وجہ سے قائم ہے لیکن بے حیائی اور بدکاری کے پھیلتے ہوئے کلچر کو روکنے والا کوئی نہیں ہمارے قانون ساز اداروں کے منتخب ارکان اسمبلیوں میں بیٹھ کر شراب نوشی اور بدکاری کے خلاف سخت قوانین تو بناتے ہیں لیکن شاہراہ دستور کو عبور کر کے وہ پارلیمانی لاجز تک پہنچتے ہیں تو بہت سے وڈیرے اپنے بنائے ہوئے قوانین کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔

ہماری ایک بدنصیب خاتون ایکٹریس کے ننگے فوٹو نہ صرف ہندوستان اور پاکستان بلکہ یوٹیوب کے ذریعے پوری دنیا میں دکھائے گئے۔ اس کے باوجود پاکستان کے کئی ٹی وی چینلوں نے اس عورت کو اپنے پروگراموں میں خوش آمدید کہا، لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قانون حرکت میں نہ آ سکا۔

بچوں کی تربیت گھر کی چار دیواری سے شروع ہو جاتی ہے میری ڈیڑھ سالہ نواسی رامین جب مجھے اور میری بیٹی کو نماز ادا کرتے دیکھتی ہے تو وہ بھی سر پر دوپٹہ لے کر سجدے کرتی ہے۔ انگلینڈ سے آئی ہوئی میری دس سالہ نواسی نتاشا بی بی کو جب میں نے کہا کہ بیٹا آپ کو پینٹ اور ٹی شرٹ میں دیکھ کر میں خوش نہیں ہوتا چونکہ اس سے جسم اچھی طرح ڈھانپا نہیں جا سکتا، جو اللہ تعالی کے حکم کے منافی ہے تو چند گھنٹوں میں وہ اپنی ماں کے ساتھ بازار جا کر شلوار قمیص اور دوپٹہ خرید کر لے آئی اور میرے سامنے کھڑی ہو کر کہنے لگی، ابو جی میں اب کیسی لگ رہی ہوں، تو میں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اب آپ پری لگ رہی ہو، اب اگلی بات اس نے خود کہہ دی کہ ابو جی میں نے قرآن شریف ختم کر دیا ہے، اب نماز بھی شروع کر دوں گی۔ یہ سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

بچوں کو پیار سے سمجھا کر راہ راست پر لانا ہمارا بہت اہم فریضہ ہے۔ اس سے بھی بڑی ذمہ داری حکومت کی ہے وہ بے راہ روی کا پرچار کرنے والے، ٹیلی ویژن اور کیبل نیٹ ورک کے لائسنس منسوخ کرے۔ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۱ مئی ۲۰۱۲)

اس کالم پر کسی قسم کا تبصرہ کیے بغیر اتنا مزید کہوں گا کہ خدارا اپنی، اپنے اہل خانہ اور آنے والی نسلوں کی فکر کیجئے ایسی فکر جو بے حیائی سے بچا کر باحیا بنائے، اللہ تعالی اور اس کی رسول کریم کی محبت دل میں بسائے، نافرمانی کی زندگی کا رخ بدل کر توبہ و استغفار کی طرف مائل کرے، اللہ تعالی اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے دین پر عمل کرنے والا بلکہ اس کا داعی بنائے۔

خدارا دل و دماغ اور اعضا و جوارح کی تطہیر و نگہداشت کا عزم کر لیجیے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اپنا آئیڈیل بنائیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھنے والے وہ بھی تھے ان کے ایمان نے انھیں تقوی و پرہیز گاری اور اعمال صالحہ کا پابند بنایا تھا ان کا صرف ایک ہی مقصد تھا اللہ اور اس کے رسول معظم کی نافرمانی سے بچنا اور بہر صورت ان کا مطیع و فرمانبردار رہنا دینی احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا مکمل طور پر دین اسلام میں داخل ہو جانا صرف اسلامی فکر و فلسفہ ہی ان کے دل و دماغ میں متمکّن تھا اس کے

برعکس ہم نے بھی وہی کلمہ پڑھا ہے اللہ تعالی نے اسلام کی نعمت عظمی سے ہمیں بھی نوازا ہے مگر ہمارا ایمان اتنا کمزور و ناقص ہو چکا ہے کہ اسلامی احکامات کی پابندی کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کافروں کی طرح مادر پدر آزادی اور شریعت کی نافرمانی کے باوجود ہوش نہیں آتا آخر کب تک ؟کب ہوش میں آئیں گے ؟کب اپنے کردار و عمل سے مسلمان دکھائی دیں گے ؟

قرآن کریم میں ہے اللہ سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکراللہ وما نزل من الحق ولایکونوا کالذین اوتوالکتب من قبل فطال علیھم الامدفقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا قد بینالکم الایٰت لعلکم تعقلون.

ترجمہ: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لیے جو اترا اور ان جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر مدت دراز ہوئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے بے شک ہم نے تمھارے لیے نشانیاں بیان فرما دیں کہ تمھیں سمجھ ہو ۔(سورہ حدید آیت ۱۶.۱۷)

لایکونوا کالذین اوتوا الکتب کے الفاظ پر توجہ دیجیے اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کی روش اختیار کرنے سے واضح طور پر منع فرمارہا ہے موجودہ مسلمان انھیں کے پیچھے بھاگا جارہا ہے نشہ کا مریض ہو جسے صحت یاب ہونے کے لیے طبیب کی نگرانی میں رہنے کی ضرورت ہو وہ طبیب سے بھاگ کر منشیات کا کام کرنے والوں اور نشہ کی لت لگانے والوں کے ساتھ چمٹا رہے تو بھلا کیوں کر بچ سکتا ہے ؟موجودہ مسلمان جو فکری و عملی طور پر فساد و بگاڑ کے تباہ کن مرض میں مبتلا ہے جب تک مغربی فکر و فلسفہ اور ان کے طرز زندگی کے ساتھ چمٹا رہے گا اسلامی فکر اور احکام شریعت جاننے والے علما جو طبیب ہیں ان سے دور بھاگے گا دل سے ان کی قدر و اہمیت تسلیم نہیں کرے گا۔دینی تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے ان کے ساتھ مسلسل رابطہ نہ رکھے گا تو اپنے اس مہلک مرض سے صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ تقریبا سو سال پہلے اس حقیقت کی طرف توجہ دلا چکے ہیں، اپنے ایک مضمون میں ارشاد فرماتے ہیں:

دین اسلام نے علما کی تعظیم و توقیر اور ان کی اطاعت و فرماں برداری فرض کی ہے اور مسلمانوں کو اس کی بہت تاکیدیں فرمائی ہیں ۔ اس طبقہ کو وارث الانبیا بتایا ہے اور ان کی نیند تک کو عبادت ٹھہرایا ہے ان کی دواتوں کی سیاہی شہدا کے خون کے ہم وزن قرار دی ہے ۔ اس حالت میں علما سے بے تعلقی اور ان کی مخالفت قوم کو فلاح و کامیابی تک کیوں کر پہنچنے دے گی۔نہ دین کے اعتبار سے یہ فعل جائز ہے نہ دنیا کے، پھر اس کو ذریعہ کامیابی سمجھنا خللِ دماغ نہیں تو کیا ہے ؟

مزید فرماتے ہیں :مسلمان اپنے عروج کے عہد میں پیشوایان دین کی بدرجہ غایت تعظیم و تکریم کرتے تھے، ان کی قدر و منزلت اپنی سعادت جانتے تھے۔ان کے احکام کے سامنے گردن جھکا دینا ان کا شیوہ تھا، علما کی زیارت کے لیے منزلوں سفر کرتے تھے۔اگر کسی زمین میں کسی عالم کا گزر ہو جاتا تو وہاں کے باشندے اس کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔جب تک مسلمانوں میں یہ خصلت رہی ان کا شیرازۂ اجتماع منتشر نہ ہوا۔دنیا کی آنکھیں ان کے آفتاب شوکت وجلال کی شعاعوں سے جھپکتی رہیں ۔عزت واقبال قدم بوسی کرتے رہے۔آج جو مسلمانوں پر نکبت ہے، ان کے محاسن ان سے روٹھ گئے، خصائل حمیدہ نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، رذائل اخلاق اور بداطواری کا سیلاب امنڈ چلا آتا ہے ۔یہ نعمت بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ ادب، تواضع، حلم، سپاس گزاری، محسن شناسی، قدردانی کی جگہ نخوت و غرور، خود نمائی، خود بینی، ناقدری، بے مروتی اور سرکشی نے لے لی ہے۔ (بحوالہ اشرفیہ جون ۲۰۰۹)

الحاصل یہ کہ دین اسلام نعمت ہے جس سے اللہ تعالی نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ سارے انبیا کے امام جن کا کلمہ پڑھ کر اس دین میں داخل ہوئے ہیں اللہ تعالی کی نعمت عظمی ہیں اس دین کے احکام جن کی پاسداری ہم سے مطلوب ہے خدا کی قسم یہ بھی ہمارے لیے نعمت ہیں ان تمام نعمتوں کی قدر کریں ان کا زبانی شکر ادا کرنے کے ساتھ ساری زندگی دین کے دائرہ میں بسر کر کے حقیقتا شکر گذار بننے کی سنجیدہ کوشش کیجیے ضروری مسائل اور دین کا بنیادی فہم اور امور دین سے محبت و لگاؤ پیدا کرنے کے لیے علمائے حق کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اللہ نے چاہا تو حالات ضرور بدل جائیں گے، اور مسلم معاشرے سے بے حیائی رخصت ہو کر شرم و حیا، طہارت و پاکیزگی جیسی اسلامی اخلاقی صفات کی خوشبو سے معاشرہ مہک اٹھے گا۔ علمائے ربانیین آپ کی جائز و نافع دنیا آپ سے لیے بغیر دینی ضروری تعلیم و تربیت سے بھی آپ کو نواز دیں گے ۔دنیا میں بھی بھلائی ملے گی اور آخرت میں فلاح و نجات کی صورت میں سب سے بڑی بھلائی بھی انشاءاللہ تعالیٰ ضرور ہاتھ آئے گی۔ ☆☆☆

قربانی کی حقیقت

محمد اختر علی واجد القادری

قربانی کی تاریخ : اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی حلال جانور کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنے کا معمول و رواج پرانے زمانہ سے رہا ہے، اس زمین پر سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل نے ایک مینڈھے اور قابیل نے زمین کا کچھ غلہ پیش کر کے کی، حسب دستور سابق آسمان سے آگ آئی اور دونوں قربانی میں سے ہابیل کی قربانی کو آگ کھا گئی اور قابل کی قربانی کو چھوڑ گئی۔ قربانی قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہلے انبیاے کرام علیہم السلام کے زمانے میں یہ پہچان تھی کہ جس کی قربانی کو اللہ قبول کرتا تو آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو جلا دیتی تھی۔ جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں اس طرح کیا ہے۔

بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ.

یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے۔ (سورۂ نساء)

جانور کی قربانی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ اور قربانی کا ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ اسے ایک جگہ پر رکھا جاتا جس کو آسمان سے آگ اتر کر جلا دیتی تھی۔ اور یہ طریقہ پچھلے انبیاے کرام کے زمانے میں مشہور رہا۔

قربانی ایک خاص مالی عبادت اور اسلام کی نشانی میں سے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی عبادت سمجھ کر بتوں کے نام پر قربانی کی جاتی تھی اور اسے عبادت خانوں کی دیواروں پر رگڑا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما کر قرآن میں حکم دیا کہ۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ کوثر)

تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

سرکار دوعالم ﷺ مدینہ میں ہر سال پابندی سے قربانی کیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی صرف مکّہ اور مدینہ کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے شرائط قربانی پائے جانے پر ہر جگہ واجب ہے۔

قربانی کی حقیقت : اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ بندۂ خدا خود اپنی جان کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے مگر اللہ کی رحمت کا کیا کہنا، حکم یہ ہوا کی جانور ذبح کیا کرو ہمارے (اللہ کے) نزدیک وہی ثواب تمھارے لیے ہے جو تم کو ملنا تھا۔

دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے خواب میں بشارت دی گئی کہ اے ابراہیم علیہ السلام آپ اپنے چہیتے اکلوتے پیارے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ بیٹے کی قربانی کرنا کتنا مشکل کام ہے وہی سمجھیں گے جنھوں نے بیٹے کو اپنی گود میں پال پوس کر بڑا کیا ہو، اور اس کے ساتھ چلنے لگا ہو۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کی محبت کو سلام کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کے ہاتھ پیر کو باندھ کر، قربانی کی جگہ پر، شیطان کی تمام باتوں کو خاطر میں نہ لاکر چاقو تیز کر کے بیٹے کی گردن پر چلا دیا اور ہونہار بیٹے نے کہا کہ: آپ وہ کیجیے جس کا حکم آپ کو اللہ رب العزت نے دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام روے زمین پر بسنے والے لوگوں کو ایک درس دیا کہ خدا کی محبت کے آگے تمام محبتوں کو میں چھوڑتا ہوں۔ اے لوگو! تمھیں بھی جب خدا کا حکم ملے پوری دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے حکم پر عمل کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے لگے تو رب کی رحمت نے آواز دی: اے ابراہیم! میں اپنے بندوں کے ساتھ ماں باپ کے مقابلے میں ۷۰ رگنا زیادہ پیار کرتا ہوں۔ اے ابراہیم! میں نے اس کا بدل بھیج دیا ہے (یعنی دنبہ) اسے قربان کرو میں قبول کرلوں گا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ.

(سورۂ صٰفّٰت)

بے شک آپ (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنا خواب سچ اور پورا کر دکھایا۔ ہم ایسے ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ (کنزالایمان)

چنانچہ اسی دن سے اونٹ، بھینس، گائے وغیرہ کو قربانی کے لیے بدل مقرر کیا گیا۔

akhtarkhair@gmail.com

قربانی جب تک ہو گی جانور زیادہ ہوں گے:

کچھ لوگ لگاتار تین دن کی قربانی کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جانور کم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس چیز کا جتنا زیادہ استعمال ہوتا ہے وہ چیز اتنی ہی بڑھتی ہے۔ دیکھیے کنویں کا پانی نہیں نکالنے سے پانی خراب اور ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کی قربانی کرنے سے جانور ختم نہیں زیادہ ہوں گے، کیوں کہ جانوروں کی قربانی اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے ایک ایک دن ۱۰۰۔۱۰۰/ اونٹوں کی قربانی فرمائی مگر کبھی یہ شکایت نہیں آئی کہ اونٹوں کی تعداد کم ہوگئی ہے۔ پرانے ہندوستان میں بیرونی فوجوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یا الگ الگ ایک ایک لاکھ گائے ذبح کی ہیں اور پھر سالانہ قربانی پورے زور و شور سے ہوا کرتی تھی۔ پہلے زمانے میں تمام جنگ گھوڑوں کے ذریعے لڑی جاتی تھی مگر تاریخ میں کہیں نہیں ملتا ہے کہ کبھی گھوڑوں کی کمی محسوس کی گئی ہو۔

میں تو یہ کہوں گا کہ قربانی خوب کیجیے جس کے نام پر قربانی کی جارہی ہے وہ اس میں برکت عطا فرمائے گا۔ (انشاء اللہ)

قربانی کی فضیلت: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے تعلق سے صحابہ (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) نے حضور ﷺ سے سوال کیا "یا رسول اللہ ﷺ قربانیاں کیا ہیں؟" آپ نے فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ لوگوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ اس میں ہمارے لیے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے۔ لوگوں نے کہا "اون کا کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا۔ اون کے ہر ایک بال کے بدلے میں نیکی ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

مذکورہ بالا حدیث سے صاف ہے کہ قربانی کرنے والے کو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کی قربانی ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

قربانی کا جانور قیامت کے دن آئے گا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قربانی کے دن اللہ کے پاس انسان کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں، قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنی سینگ، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس مقامِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو روپے بقر عید کے دن قربانی کے لیے خرچ کیے گئے ان سے زیادہ کوئی روپے پسندیدہ نہیں۔ (طبرانی)

قربانی واجب ہے:

ہر مسلمان مرد عورت مالکِ نصاب مقیم آزاد بالغ پر واجب ہے۔

حدیث: حضرت محنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ہم آں حضرت ﷺ کے ساتھ عرفات میں رُکے تھے کہ میں نے آپ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے لوگوں ہر سال ہر گھر والوں (مالکِ نصاب) پر قربانی واجب ہے۔" (مسلم شریف)

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

قربانی کا جانور اچھا، عمدہ، فربہ ہو، عیب والا نہ ہو، اور اس کی عمر یہ ہو۔

(۱) اونٹ/ اونٹنی پانچ سال کا ہو (۲) گائے/ بیل/ بھینس/ بھینسا ۲/ سال کے (۳) مینڈھا یا مینڈھی/ بکرا یا بکری ایک سال کے ہونے چاہیے، اس سے زیادہ ہو تو اچھا ہے۔ ہاں دُنبہ بھیڑ کا بچہ دور سے دیکھنے میں اگر ایک سال کا لگتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ، کان اور باقی خرابیوں کو خوب غور سے دیکھیں۔

(ابن ماجہ)

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کن عیوب سے قربانی کے جانور محفوظ ہوں؟

آپ نے انگلیوں سے چار باتوں کا اشارہ کیا۔

(۱) جس کا لنگڑاپن بالکل ظاہر ہو (۲) جس کا اندھاپن واضح ہو۔

(۳) جس کا مرض ظاہر ہو (۴) جو بہت دبلا (کمزور) ہو۔ (مشکوٰہ)

امام احمد و ابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ (حدیث)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے کہا "مجھے یوم اضحیٰ کا حکم دیا گیا۔ اس دن کو خدا نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بتائیں اگر میرے پاس نیہا (نیہا اس جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے نے اسے اس لیے دیا ہو کہ یہ کچھ دنوں اس کے آدھے دودھ سے فائدہ اٹھائیں پھر مالک کو واپس کردیں) کے علاوہ کوئی جانور نہ ہو تو کیا اسی کی

قربانی کردوں؟ فرمایا: ہاں تم اپنے بال اور ناخن کٹواؤ اور مونچھیں کٹواؤ اور ناف کے نیچے کے بال کاٹو، اسی میں تمھاری قربانی خدا کے نزدیک پوری ہو جائے گی، یعنی جس کو قربانی کی استطاعت نہ ہوا سے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ (ابوداؤد و نسائی)

قربانی کا وقت و مدت: ۱۰/ویں ذالحجہ کی صبح صادق سے (شہر میں نمازِ عید کے بعد اور دیہات میں نمازِ عید کے پہلے یا بعد دونوں جائز ہیں) ۱۲/ویں ذالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے (بہارِ شریعت)

پہلا دن سب سے افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج ہمیں سب سے پہلے نماز پڑھنی ہے اس کے بعد قربانی کرنی ہے جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقے پر عمل کیا۔

قربانی سے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کا طریقۂ عمل کیا تھا؟ مدینہ کے تاج دار دو عالم کے مالک و مختار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اکثر اکیلے ہی قربانی کیا کرتے تھے۔ بخاری شریف جلد نمبر ۲/ میں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ شریف میں خود اپنے ہاتھوں سے دو مینڈھے ذبح کیے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دو چت کبرے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کی اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ان مینڈھوں کے پہلوؤں پر پیر رکھے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا۔ اور ایک حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ خود قربانی کیا کرتے تھے۔

قربانی کے جانور کے ساتھ اچھا سلوک کریں: اگر قربانی کا جانور قربانی سے پہلے خرید لیا گیا ہو تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں دینی چاہیے، جانور کو ہمیشہ چارہ پانی دیتے رہنا چاہیے اور اسے مارنا پیٹنا نہیں چاہیے۔

حضرت ابن سہیل فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ کیا کرتے تھے اور عام مسلمانوں میں بھی یہی رواج تھا۔ (بخاری شریف)

میت کی طرف سے قربانی: میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک دنبہ اپنی اور ساری امت کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی امت میں سے بہت سے لوگ انتقال فرما چکے تھے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی قربانی زندوں یا مردوں سب کو شامل ہوتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ دو مینڈھوں کی قربانی کر رہے ہیں۔ میں نے ان کے تعلق سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے دو مینڈھوں کی قربانی کر دیا کروں، لہذا میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔

مسئلہ: میت کی طرف سے قربانی کی تو اس کا گوشت سبھی لوگ کھا سکتے ہیں۔ کیوں کی قربانی کرنے والا گوشت کا مالک ہے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ: اگر میت نے کہہ دیا ہے کہ میری طرف سے قربانی کر دینا تو پورا گوشت صدقہ کر دینا واجب ہے۔ (بہارِ شریعت)

قربانی کا گوشت: اسلام امن اور سکون، پیار اور محبت، شفقت اور بھائی چارہ کا سبق ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو پڑھاتا رہا ہے، اس کی مثال قربانی جیسے اچھے دن میں بھی قائم رہنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے گھر میں بہت گوشت بہت دنوں تک کھانے کے لیے رکھا ہوا ہو اور آپ کا پڑوسی منھ پوچھتا اور دیکھتا رہے، اس لیے قربانی کا گوشت دوستوں یا پھر ملنے والوں میں سے مسلمانوں کو بانٹ دیں، قرآن فرماتا ہے۔

واطعموا القانع والمعتر.

"کھلاؤ اسے جو مانگنے اور اسے جو نہ مانگے۔"

اللہ کے رسول ﷺ پہلے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے سے منع فرماتے تھے لیکن جب مسلمانوں میں فارغ البالی آئی تو آپ نے اعلان فرمایا:

"کلوا و اطعموا و احبسوا و ادخروا"

یعنی قربانی کا گوشت خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ بچاؤ اور جمع کرو۔

بہتر یہ ہے کہ گوشت کو صاف کرنے کے بعد تین حصوں میں کیا جائے اور اس میں ہر ایک حصہ اس طرح استعمال کریں۔

۱۔ اپنے لیے رکھیں۔ ۲۔ اپنے سبھی یا کچھ دوستوں کو دیں۔

۳۔ غریبوں یا مانگنے والوں کو دیں۔ ہاں اگر کسی کی فیملی بڑی ہو اور ایک حصہ کے بجائے پورا گوشت رکھنا چاہتی ہو تو اسے اختیار ہے کہ کھائے، بچائے یا بانٹے۔

مسئلہ: قربانی کا گوشت بیچنا یا اجرت میں دینا حرام ہے۔

سرکار ﷺ کی حدیث ہے، سرکار نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

ولا تبیعوا الحوم الهدی والاضاحی وکلوا وتصدقوا.

ترجمہ: قربانی کا گوشت بیچو مت، بلکہ کھاؤ اور صدقہ کرو۔

(مسند احمد بن حنبل)

مسئلہ: بڑے جانوروں میں اگر سات یا چھ افراد جو بھی شریک ہوئے ہوں تو گوشت بانٹتے وقت اٹکل یا انداز سے نہ بانٹا جائے بلکہ ٹھیک ٹھیک (وزن کرکے) بانٹا جائے کیوں کہ ہوسکتا ہے کسی کو کم یا زیادہ ملے اور یہ ناجائز ہے۔ (بہار شریعت بحوالہ درّ مختار ر ردالمحتار)

مسئلہ: قربانی کا گوشت کافر کو نہ دیں کیوں کہ یہاں کے کفار حربی ہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: قربانی اگر منّت کی ہے تو اس کا گوشت نہ خود کھاسکتا ہے اور نہ مالداروں کو کھلاسکتا ہے بلکہ اس کا سارا گوشت صدقہ کردینا واجب ہے۔ وہ منّت ماننے والا فقیر ہو یا غنی سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔

قربانی کی کھال کیا کریں؟ قربانی کے جانوروں کی کسی چیز کو بیچنا جائز نہیں۔ جس طرح گوشت کو کھانا کھلانا اور غریبوں کو دینا چاہیے اسی طرح کھالوں کو بھی غریبوں فقیروں اور ایسے مدارس کو جو دینی کاموں میں مصروف ہیں، دینا چاہیے۔

قربانی کی کھالوں کو بیچنا منع ہے، ہاں اس سے خود فائدہ اٹھاسکتے ہیں، جیسے قربانی کی کھال کو جانماز بناکر خود استعمال کرسکتے ہیں۔

مسئلہ: کھال کو بیچنے کے بعد قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے اور یہ روپے اسی کو دیا جاسکتا ہے جو صدقہ لینے کا حقدار ہو۔ ہاں کسی یتیم خانے یا مدرسے کے طالب علم یا محتاج، معذور عزیزوں کو دیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: قربانی کی کھال کو بیچ کر کسی کا کفن نہیں خریدا جاسکتا ہے کیوں کہ تملیکِ مال نہ ہوا اور صدقہ کے لیے تملیکِ مال ضروری ہے۔

مسئلہ: قصائی کو اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی قربانی کی دیکھ ریکھ پر مقرر کیا اور یہ حکم دیا کہ میں قربانی کے گوشت اور کھالوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں اور ان میں سے کچھ بھی قصائی کو اجرت میں نہ دوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم قصائی کو الگ سے اپنے پاس سے اجرت دیتے تھے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید:

من کان له سعة و لم یضح فلا یقر بن مصلانا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس وسعت ہو اور اس کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

مذکورہ بالا احدیث سے واضح ہے کہ رسولِ کائنات، فخر موجودات، شافع محشر، مالکِ کون و مکاں، احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ اس شخص سے کتنے دور رہتے تھے جو قربانی کرسکنے کے باوجود قربانی نہ کرے، آپ فرماتے ہیں: اسے (قربانی نہ کرنے والے کو) عیدگاہ تک آنے نہ دیا جائے۔

قربانی میں کچھ غلطیاں: میں نے خود کتنے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ گھر میں کسی ایک کی طرف سے قربانی ہوجانا کافی ہے، اس لیے وہ کبھی بیٹے کی طرف سے، کبھی بیٹی کی طرف سے، ماں کی طرف سے، بیوی کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، جو غلط ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مالکِ نصاب پر قربانی واجب ہے، اب اگر آپ کے گھر میں کئی لوگ مالکِ نصاب ہوں تو سب کے اوپر قربانی واجب ہے اور اگر صرف گھر کا ایک شخص مالکِ نصاب ہو تو صرف اس پر قربانی واجب ہے، دوسرے کی طرف سے قربانی نہ کی جائے بلکہ پہلے اس کی طرف (جو مالکِ نصاب ہو) سے قربانی کی جائے پھر دوسرے گھر کے لوگوں کے نام سے کی جائے۔

مسئلہ: ایک گھر میں میاں بیوی دونوں مالکِ نصاب ہیں تو دونوں کے اوپر قربانی واجب ہے۔ ایسا نہیں کہ اس سال شوہر کے نام سے، اگلے سال بیوی کے نام سے قربانی کی جائے۔

☆کچھ لوگ پہلی قربانی سرکار دوعالم ﷺ کے نام سے کرتے ہیں جب کہ ہونا یہ چاہیے کہ پہلی قربانی اس کے نام سے کی جائے جو مالکِ نصاب ہے، کیوں کہ اس پر قربانی واجب ہے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ سرکار ﷺ کے نام سے قربانی کی جائے تو سونے پر سہاگا۔

☆کچھ لوگ گوشت کی خاطر قربانی کرتے ہیں ایسا کرنا ناجائز ہے۔ ایسے لوگوں کو ثواب نہیں ملے گا۔

☆ایک بڑے جانور میں سات حصے ہوتے ہیں ساتوں حصے والوں کا مومن ہونا ضروری ہے اگر ایک بھی کافر یا گستاخِ رسول ہے تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

☆کچھ لوگ ذبح کے بعد فوراً کھال اتارنا شروع کردیتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہیے کی قربانی کا جانور جب تک پوری طرح ٹھنڈا نہ ہو تب تک کھال وغیرہ نہ اتاریں۔

☆کچھ لوگ قربانی کے جانوروں میں عقیقہ کا حصہ لینا شرعاً ممنوع سمجھتے ہیں جب کہ یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ لہٰذا قربانی کے جانوروں میں عقیقہ کا حصہ لیا جاسکتا ہے۔

☆بہت سارے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ قربانی کا گوشت

دھوئے بغیر پکاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ قربانی کے گوشت کو پہلے دھولینا چاہیے۔

☆ہمارے ملک ہندوستان میں قربانی کا گوشت عموماً لاعلمی کی وجہ سے اپنے غیر سب کو دے دیا جاتا ہے جب کہ قربانی کا گوشت صرف اور صرف مسلمان ہی کو دینا جائز ہے، لہٰذا حربی کافر کو نہ دیا جائے۔

☆بکرا، بکری، گائے، بیل، بھینس وغیرہ کا پیشاب ناپاک ہے۔ لہٰذا قربانی کے لیے لائے گئے جانوروں کو ایسی جگہ نہ رکھا جائے جہاں عوامی راستہ ہو کیوں کہ ہو سکتا ہے آپ کے جانور سے کوئی راہ گیر ناپاک ہو جائے اور اس کی نماز قضا ہو جائے۔

غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات:

سوال نمبر ۱: کسی بھی جانور کو ذبح کرنا ایک ظالمانہ کام ہے؟

جواب: اسلام نے ہمیشہ تمام جانوروں کے ساتھ رحم کرنا سکھایا ہے، حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: "تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں کا خالق تم پر رحم کریگا" اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی جانور کو ظلم کرنے کی نیت سے نہ تو ذبح کرتا ہے اور نہ ہی مارتا ہے۔ آج پوری دنیا میں سبزی خوری کی تحریک چلائی جا رہی ہے، تحریک چلانے والوں میں ان کی اولاد بھی شامل ہے جو کبھی انسانوں کو بیچا اور بلی چڑھایا کرتے تھے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کی زمین پر موجود سبھی چیزوں کو انسانوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اب انسان کی ذمہ داری ہے کہ ان چیزوں کو اچھے سے اچھے کام میں استعمال کریں، رہی بات جان دار کو مارنے کی تو میرا دعویٰ ہے پوری دنیا جانداروں کو مارے بغیر رہ نہیں سکتی، مانتا ہوں کی وہ سبزی، دال، چاول، بھاجی، ترکاری وغیرہ کھائیں گے کیا ان پودوں میں جان نہیں ہوتی ہے؟ جب کہ ریسرچ کرنے والے سائنس دانوں نے یہاں تک کہ دیا ہے کہ ہر پودے میں جان ہوتی ہے اور اسے کاٹنے پر تکلیف ہوتی ہے اور وہ چیختی چلاتی بھی ہے مگر ان کی چیخ و پکار کو ہم سن نہیں سکتے۔

سوال نمبر ۲: قرآن مسلمانوں کو گوشت کھانے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

جواب: قرآن تمام لوگوں کی معاشی، سماجی، تجارتی، انسانی بھلائی اور انسان کو ہر موڑ پر صحیح راستہ دکھانے کے لیے آیا ہے، میرا خیال ہے قرآن بہت سے فائدوں کو دیکھ کر انسانوں کے فائدے کے لیے حلال جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

(۱) گوشت پروٹین حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہے، اور اس میں مختلف وٹامن اور لوہا وغیرہ زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

(۲) گوشت جتنے بار کھانا چاہیں گے کھا سکتے ہیں، دل اکتائے گا نہیں مگر سبزی سے دل اکتا جائے گا۔

سوال نمبر ۳: ایک ملک میں رہتے ہوئے دوسرے مذہبوں کا خیال کرنا چاہیے؟

جواب: ہم سبھی ذاتوں اور ان کے مذہب کے ماننے والوں کو کبھی تکلیف نہیں دیتے اور قرآن نے ایک نہیں کئی جگہ اس کا سبق پڑھایا ہے۔ رہی بات ان لوگوں کی جو گوشت نہیں کھاتے یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے، ان کی کتابوں میں گوشت کھانا منع نہیں ہے ان کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہندو شاستر منی میں سبھی گوشت کھانے والے تھے۔

مذہب نے منع نہیں کیا، قدرت کی بناوٹ منع نہیں کرتی، گوشت سے نقصان نہیں ہوتا پھر بھی اگر کوئی نہ کھائے تو یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے اور ذاتی معاملہ کا خیال نہ کرنا کوئی بری بات نہیں وہ ہمارے ہزاروں ذاتی اور لاکھوں مذہبی معاملات کا خیال نہیں کرتے۔ جیسے کہ گانا، ناچنا، شراب، وغیرہ۔ ہمارے مذہب میں حرام ہے اور وہ ہمیشہ کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۴: سبزی کھا کر زندگی گذاری جا سکتی ہے، پھر کیا ضرورت ہے کہ گوشت ہی کھائیں؟

جواب: گوشت کھانے کی اجازت ہے، ضروری نہیں، سبزی کھا کر زندگی گذاری جا سکتی ہے، لیکن گذارنا ضروری نہیں، ہم گوشت اس لیے کھاتے ہیں کیوں کہ سبزی کھا کر سینکڑوں جانوں کا خون کرنے سے اچھا ہے کہ ایک جان کا خون کیا جائے۔ جیسا کہ سرجے سی بوس نے اپنی ریسرچ میں لکھا ہے، سبھی پودوں میں جان ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۵: سائنس کے مطابق انسان جو کھاتا ہے اس کا اثر انسان کے برتاؤ پر پڑتا ہے باوجود اس کے اسلام مسلمانوں کو گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے، کیوں؟

جواب: جو جانور (شیر، چیتا وغیرہ) خطرناک و جان لیوا ہوتے ہیں ان کے گوشت کھانے کی اسلام نے اجازت نہیں دی، جو جانور (گائے، بیل، بکری، بھینس) سبزی گھاس وغیرہ کھاتے ہیں ان جانوروں کا گوشت اسلام نے کھانے کی اجازت دی ہے، ان جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان کے برتاؤ پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

☆☆☆☆

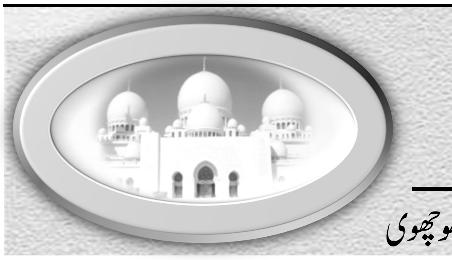

اسلام کا تصورِ فقر

عبدالحسیب کچھوچھوی

اسلام میں رہبانیت لعنت ہے، لیکن فقر نعمت ہے، فقر کی اساس عشق خدااورعشق رسول ﷺ پر مرکوز ہے۔عشق خدا کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس کی یکتائی اور وحدانیت پر ایمان رکھتا ہواورعشق رسولِ اکرم ﷺ سے مراد ہے کہ آپ کی ذاتِ رسالت پرمکمل ایمان رکھتا ہے۔ جب کوئی اس راہ میں جذب وایمان سے سرشار ہوکر قدم رکھتا ہے تو توحید ورسالت کے رموز تک اس کی رسائی بہ آسانی ہوجاتی ہے اور وہ ان حجابات کا مشاہدہ کرلیتا ہے جو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ وہ تسخیر جہات پر قادر ہوجاتا ہے جو عشاقِ خدا ورسول کا خاصہ ہے۔فقرِ حقیقی اپنے جذب و شوق اورعشق کے وسیلے سے کائنات کی گہرائیوں تک پر چھاجاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ فقر کا باطنی ارتقاعشق سے تعلق رکھتا ہے، وہ عقل وفلسفہ کی عقدہ کشائیوں سے بے نیاز رہتا ہے اس لیے کہ عقل میں عشق جیسی جرأت وہمت نہیں ہوتی، چوں کہ عشق راہ نما ہے اور عقل وفلسفہ گم کردۂ راہ ہیں۔عقل تسخیر فطرت ضرور کرتی ہے لیکن عشق کی طرح وہ فطرت کو منقلب کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔عقل میں خود بینی ہے لیکن عشق جہاں بیں ہے۔عقل دانشِ برہانی ہے اورعشق دانشِ نورانی عقل زمان و مکان کے باہر دیکھنے سے مجبور ہے اورعشق زمان ومکان پر محیط ہے۔عقل کائنات کی افہام وتفہیم تک محدود ہے اورعشق کائنات کو اپنے میں جذب کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔عقل کا تعلق مصلحت پسندی سے ہے جو انسان کو نکھارنے اور سنوارنے میں مصروف رہتی ہے اورعشق مردِ فقیر کی تخلیقی فاعلیت کا محرک ہے۔عشق ایسا جذبہ ہے جس سے حضوریِ قلب میسر ہوتی ہے اورعقل اس سے عاری ہے، کیوں کہ عقل چراغ راہ ہے منزل نہیں۔

اللہ کی ربوبیت کبریٰ پرمستحکم اورغیرمتزلزل عقیدہ اسلامی فقر کی اولین خصوصیت ہے اور جب کسی فقیر میں اس عقیدے کا فقدان ہوتا ہے تووہ فقر کے اعلیٰ ترین صفات سے ماورا ہوتا ہے اور اس میں گداگری کے عادات واطوار پیدا ہوجاتے ہیں جو حرص وہوا اور تعصبات کو جنم دیتے ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں، کیوں کہ جب انسان صرف اور صرف معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے اور اپنی ساری توقعات اسی ذات سے وابستہ کرلیتا ہے تو اگرچہ وہ نان شعیر کے ساتھ فقرو فاقہ پر اپنی زندگی کے ایام گزار رہا ہے پھر بھی اس کے بازوؤں میں قوتِ حیدری اور حضرتِ خالد کی سی جاں بازی، بے باکی اور بے خوفی پائی جاتی ہے، چوں کہ وہ ہزاروں لایعنی سجدوں سے گریزاں صرف مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے اور اس کی زبان پر یہ نعرۂ مستانہ رہتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبالؔ)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر غیرمتزلزل ایمانی قوت کی بدولت وہ فقیری میں بھی دولت دنیا ودین سے معمور ہوتا ہے۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی   نہیں ہے سنجر وطغرل سے کم شکوہِ فقیر

ایسے فقر کی اساس محبت واخوت، ایثار، امن وآشتی، فوز وفلاح اور بہبود واصلاح پر ہے، وہ دنیا سے مستغنی اور بے پروائی کا مظہر ہوتا ہے، جب تک کسی فقیر میں تزکیۂ نفس، تطہیرِ قلب اور اصلاح باطن کے حصول کی تڑپ نہ ہو وہ فقر کے نقطۂ عروج تک نہیں پہنچ سکتا لیکن جب وہ اپنے اس سفر میں تدریجی ارتقا سے ہم کنار ہوکر اپنے اندر صفاتِ خداوندی جذب کر لیتا ہے اور اس کے ظاہر وباطن میں یکسانیت پیدا ہوجاتی ہے تو ذات زمین پر بسنے والی تمام ذی روح کے لیے خیر وبرکت بن جاتی ہے۔ مثلاً:

فقرِ مومن چیست؟ تسخیر جہات   بندہ از تاثیر او مولا صفات

مردِ فقیر کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ناجائز خواہشات سے ہمیشہ احتراز کرتا ہے، صبر وتحمل، توکل وتسلیم ورضا، انکساری، دردمندی اور محبت، غیرت و خودداری کو سرمایۂ حیات سمجھتا ہے، وہ اطاعت خداوندی کسی صلہ اور انعام کے لالچ میں نہیں کرتا، اس کو اس اطاعت اور فرماں برداری میں ایسا کیف و سرور میسر ہوتا ہے جو دوسروں کے تخیل وتصور سے بہت ماورا ہوتا ہے، اس کی عبادت وریاضت اور بندگی میں ایسا خلوص ہوتا ہے کہ خود تقدیرِ آسمانی اس کے ذاتی ارادے اور منشا کے سامنے سرنگوں ہوجاتی ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

فقیر ماسوا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی اور کے احکام کا پابند نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس پابندی سے دل گرفتہ ہوتا ہے کیوں کہ احکامِ خداوندی کی پابندی سے آزادی و حریت کی گوناگوں راہیں کھلتی ہیں۔

فقر میں جو آب و تاب اور درخشندگی ہوتی ہے اس کا اصل سبب کسبِ حلال ہے، کیوں کہ فقیر کے لیے حرام کا ایک لقمہ کیا ایک دانہ بھی سمِ قاتل سے کم نہیں، وہ حرام و حلال کے مابین سخت امتیاز برتتا ہے، وہ اپنی مفلسی میں بھی اپنی غیرت و خود داری کا دامن نہیں چھوڑتا، وہ اپنی غربت کے شب و روز میں مست و بے خود رہتا ہے، وہ کسی سے اپنی مفلسی کا گلہ نہیں کرتا بلکہ اس کی زبانِ حق پرست پر اس طرح کا نعرہ رہتا ہے۔

جو فقر ہوا تلخیِ دوراں کا گلہ مند — اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی

ایسے فقیر کا فقر بہت غیور ہوتا ہے، اس کا مقصدِ زندگی شکم پروری نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایسی شانِ قلندری ہوتی ہے جس کے سامنے دنیاوی عزت و حشمت، سلطنت و صولت سب ہیچ اور بیکار نظر آتے ہیں۔ بقول اقبال۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

اس سے قبل کی سطور میں مذکور ہے کہ فقیر فقر و فاقہ میں اپنے شب و روز گزارنے کے باوجود مسرت و شادمانی سے ہم کنار رہتا ہے اور اس میں جو شانِ استغنا ہوتی ہے وہ نام نہاد صوفی و ملّا اور رائج الوقت پیر، جن کی عبا قبا کے زریں کنارے راستوں کی غلاظت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ ان کا مرید ان غلاظت آلود قباؤں کے دامن کو بوسہ دے کر اس پر اپنی عقیدت کی آنکھوں کو ملے، ایسے صوفی و ملّا عموماً اپنے رزق کے حصول میں اپنی شکم پروری اور سامانِ تعیش کے پیشِ نظر حلال و حرام کا امتیاز ضروری نہیں سمجھتے اور اپنی دنیاوی شان و شوکت کی بنا پر اس قدر مغرور ہوتے ہیں کہ جس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ غالبًا اقبال نے ایسے ہی پیرانِ حرم کے تعلق سے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں۔

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانندِ بتاں پجتے ہیں کعبہ کے برہمن
میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

ایسے صوفی و ملّا اور پیروں کا قلب اس سوز و گداز سے محروم ہوتا ہے جن سے مردِ فقیر کا دل مالا مال ہوتا ہے۔ فقر محتاجی اور بے بسی کا نام نہیں بلکہ قوت و اختیار کا نام ہے، کیوں کہ متذکرہ فقیر ہی عام انسانوں کے گروہ سے نکل کر مومنین کی صف میں شامل ہوتا ہے اور مومن کی شان کے تعلق سے یہ ارشادِ نبوی ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کے ہاتھ — غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

بندۂ مومن کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے علائقِ دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے اور ایسے اعمال و افکار کی بنا پر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں عقل و خرد حیرت و استعجاب میں بھی نظر نہیں آتے، بلکہ صرف بے خبری ہوتی ہے اور وہ فقیر کامل مہر و مہ و انجم سے بھی پرے پہنچ جاتا ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچک نہیں کہ وہ وہ ساعت و لمحات اور ماہ و سال پر محیط ہو جاتا ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر — ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

فقر یا قلندری اس کا نام ہے جو مال و متاع سے بے نیاز ہونے کے باوجود ایسے کیف و سرور سے لذت آشنا ہو جو مردِ فقیر کے قلب کو عشقِ خدا کی منزل اور درد و سوز کی آماجگاہ بنا دے۔ ایک صاحبِ قلم فقر کے تعلق سے اپنے خیالات کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے:

"فقر کی سلطانی در اصل انقلاب کی حکومت ہے، فقیر کا نعرہ نعرۂ انقلاب، اس کا کام سامراجی یا طبقاتی جبر و استبداد کے انسداد کے لیے معرکہ آرائی کرنا ہے، جب تک ایک بھی ایسا باغی، آزادی کے لیے لڑنے والا جور و ظلم کا مقابلہ کرنے والا درویش کسی قوم میں باقی ہے اس قوم پر زوال نہیں آسکتا۔"

یہ بے خوفی اور بے باکی ایمان کی پختگی اور یقینِ کامل سے پیدا ہوتی ہے، اس یقین کی بدولت فقیر اس طرح جلوہ گستر رہتا ہے کہ دنیا کی ہر شوکتِ شاہانہ اس کے سامنے حقیر نظر آنے لگتی ہے۔

مردِ فقیر عشقِ خداوندی کے جذبۂ بے کراں سے بے خود و سرشار ہوتا ہے اور اس سے اس کے دل و دماغ کو ایسا جذب و کیف میسر ہوتا ہے کہ جس کی لذت کو چھوڑ کر وہ اور دوسری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

دو عالم سے بے گانہ کرتی ہے دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

☆☆☆☆

انوارِ حیات

امام طحاوی اور علمِ حدیث
شرح معانی الآثار کی روشنی میں

محمد امتیاز رضا علائی

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ اپنے وقت کے بڑے محقق، مدبر، مفکر اور صاحبِ تصانیفِ بزرگ تھے۔ بچپن ہی سے علم و فن سے کافی شغف تھا اور لہو ولعب سے نفرت۔ اسی شغف و نفرت نے آپ کا شمار فقہا و محدثین کے طبقات میں کرایا۔ فنِ فقہ و حدیث میں کافی دل چسپی تھی اور فقہا و محدثین کے مابین فقیہ و محدث جیسے القاب سے یاد کیے جانے لگے۔ عوام و خواص میں بھی حد درجہ چرچا ہوا۔ قوتِ حافظہ اس قدر مضبوط کہ محدثین حافظ و امام کے نام سے یاد کرتے ہیں اور فقہا مجتہد منتسب قرار دیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر فرماتے ہیں: امام ابو جعفر ثقہ، نبیل، جلیل اور حدیث کا مسکن تھے۔

سمعانی آپ کے امام، عاقل اور ثقہ شخصیت ہونے کے قائل ہیں۔

امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں: امام ابو جعفر علومِ دینیہ اور احادیثِ نبویہ کے ماویٰ و ملجا تھے۔

اور حافظ شیرازی لکھتے ہیں کہ امام ابو جعفر اصحاب حنیفہ کی علمی ریاست کے منتہا ہیں۔

حافظ ابن عبد البر کا قول ہے کہ امام ابو جعفر کوفیوں کی بیان کردہ روایات اور فقہی مسائل سے اچھی طرح آشنا تھے اور جملہ مذاہب فقہا و محدثین کے عالم تھے۔

ولادت مع نام و نسب:

امام طحاوی کا پورا نام مع کنیت و نسب اس طرح ہے: الإمام الحافظ أبو جعفر احمد بن محمد بن عبد بن سلمة بن سليم بن جناب الازدی المصری الطحاوی الحنفی. قبیلۂ ازد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ازدوی سے موسوم ہیں اور مصر میں وادیِ نیل سے بالکل متّصل طحا نام کی ایک بستی ہے، اس میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس لیے آپ طحاوی سے بھی موسوم ہوئے۔ حافظ حجر عسقلانی، محدث محی الدین، ابو محمد عبد القادر اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے آپ کا سنِ ولادت ۲۳۹ھ بتایا ہے اور امام ابو عبد اللہ شمس الدین سے ۲۳۷ھ اور بروایت دیگر ۲۲۹ھ ہے۔

تحصیل علم اور اساتذۂ کرام:

امام طحاوی نے اپنے ماموں جان مزنی کے علاوہ جن اساتذہ سے تعلیم پائی اور صحبت اختیار کی، ان کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں: الامام الحافظ المقری یونس بن اعلیٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبد اللہ اور بحر بن نصر وغیرہم۔ ان باسند اور جلیل القدر اساتذہ کی بارگاہ میں آپ نے زانوے ادب تہ کیا اور فقہ و حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ملک شام کا دورہ کیا اور وہاں ابوہازم سے ملاقات کی، ۲۶۹ھ میں اپنے شہر لوٹ آئے۔ معارف السنن، ج:۱، ص:۱۴۴ میں مذکور ہے کہ امام طحاوی امام مزنی کے توسط سے امام شافعی کے شاگرد ہیں اور ان دونوں کے توسط سے امام مالک اور امام محمد کے اور ان تینوں کے توسط سے احناف کے مقتدا حضرت امام اعظم کے شاگردِ رشید ہوئے۔

تلامذہ:

یوں تو آپ کے تلامذہ کی فہرست کافی لمبی ہے، کل کا احاطہ تو مشکل ہے تاہم اظہارِ مقصود کے لیے چند شہرت یافتہ تلامذہ کے اسمائے گرامی ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں: احمد بن قاسم خشاب، ابوالحسن احمد تمیمی، یوسف میاں جی، ابوبکر بن المقری، طبرانی، قاصی سعید، سلیمان ابن احمد طبرانی، ابو محمد عبد اللہ بن حدید، عبد الرحمٰن بن اسحاق جوہری اور جعفر غندر بغدادی وغیرہم۔

امام طحاوی اور ائمۂ صحاح ستہ سے معاصرت:

امام بخاری کا جس دن انتقال ہوا اس وقت امام طحاوی کی عمر ستائیس سال تھی، بقول دیگر امام طحاوی، امام بخاری کے بعض شیوخ میں شریک رہے۔ امام مسلم نے جس وقت وفات پائی اس وقت امام طحاوی بتیس برس کے ہو گئے تھے، نیز ان کے بعض شیوخ میں شرکت حاصل ہے۔ امام داؤد نے جب دنیا سے رحلت فرمائی اس وقت امام طحاوی چھیالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، اور بعض شیوخ

میں شرفِ شرکت حاصل ہے۔ امام ترمذی کی وفات کے وقت امام طحاوی کی عمر شریف پچاس برس تھی اور ان کے بھی شیوخ میں شریک رہے ہیں۔ امام ابن ماجہ کے وصال کے وقت امام طحاوی چوالیس برس کی عمر طے کر چکے تھے، امام احمد نے جس وقت وفات پائی اس وقت امام طحاوی محض بارہ برس کے تھے۔ امام طحاوی کو مذکورہ جملہ محدثین کرام سے شرفِ تعلیم و تربیت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ شرفِ معاصرت بھی حاصل ہے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں سے امام طحاوی خوب مستفید و مستفیض ہوئے۔ تعلیمی عمر اکثر انھیں بزرگوں کے زیرِ سایہ گزاری، جس کی وجہ سے آپ بھی انھیں عظیم ترین لوگوں کے زمرے میں شمار کیے جانے لگے۔

تبدیلی مسلک میں علما کے چند اقوال:

امام ابو جعفر طحاوی ابتداءً شافعی المسلک تھے، بعد میں شافعیت کو ترک کیا اور حنفیت اختیار کی۔ اس مسئلہ میں علما کے چند اقوال ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں: امام طحاوی ابتداءً شافعی المسلک تھے۔ حنفیت اپنانے کا سبب یہ ہے کہ ایک دن دوران درس آپ کے ماموں جان نے ناراضگی ظاہر کی اور غصے میں آپے سے باہر آکر کہا واللہ تم عالمِ دین نہیں بن پاؤ گے اور نہ ہی عوام الناس تیرے قرب و جوار میں رہیں گے۔ امام طحاوی اپنے ماموں جان کے ان کلمات سے بے حد خفا ہوئے، ناراضگی ظاہر کی اور درس گاہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ ابو عمران کے پاس بقیہ تعلیم کی تکمیل کی۔ جب فقہ و حدیث کے امام بن گئے، فقہ و حدیث میں کامل مہارت حاصل ہو گئی اور فقیہ و محدث کے القاب سے ملقب ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے، میرے ماموں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو، اگر وہ باحیات ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

(۲) علامہ عبد العزیز ہاروی نقل فرماتے ہیں: امام طحاوی نے ایک دن دوران مطالعہ کتبِ شافعیہ میں ایک بحث پڑھی جس میں یہ مسئلہ مذکور تھا کہ اگر حمل والی عورت کا انتقال ہو جائے اور بچہ اس کے شکم میں زندہ ہو تو اس عورت کو مع بچہ دفن کر دیا جائے گا، بچے کو پیٹ شق کر کے نہیں نکالا جائے گا۔ جب کہ احناف کا مسلک ہے کہ اس عورت کے شکم کو شق کر کے نکالا جائے گا۔ امام طحاوی کی ولادت با سعادت چوں کہ احناف کے مذہب و مسلک پر ہوئی تھی، اس لیے جب یہ مسئلہ آپ کی نظر سے گزرا تو بے حد غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ میں اس شخص کے مذہب و ملت پر راضی نہیں جو مجھ جیسے شخص کی ہلاکت پر راضی ہو، خوش ہو۔

امام طحاوی اور شرح معانی الآثار:

شرح معانی الآثار فن حدیث میں امام طحاوی کی سب سے پہلی تصنیف اور احناف کا سرمایۂ افتخار ہے۔ اس کتاب میں احادیث، فقہ اور رجال کے متعدّد علوم عمدہ طریقے پر ترتیب دیے گئے ہیں۔ فاضل اتقانی فرماتے ہیں کہ جو شخص امام طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنے کا خواہاں ہے اسے چاہیے کہ "شرح معانی الآثار" زیرِ مطالعہ رکھے اور دورِ حاضر کے مسائل سے عوام الناس کو آگاہ کرے۔ مذہبِ حنفی کے علاوہ کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں امام طحاوی کی نظیر ملتی ہو۔ اس کتاب کی تدوین و ترتیب سے امام طحاوی کا مقصد احادیث کا ذخیرہ کرنا نہیں ہے، بلکہ ملتِ حنفی کی تائید اور یہ بات ثابت کرنی ہے کہ کسی بھی شرعی مسئلہ میں احناف کا موقف احادیث کے خلاف نہیں ہے، اور جو روایات امام اعظم کے مسلک کے خلاف ہیں وہ یا تو منسوخ ہیں یا مؤول۔ امام طحاوی اگر آج شہرت کی بلندی پر فائز ہیں تو شرح معانی الآثار ہی کی وجہ سے ہیں۔ بلا شبہہ شرح معانی الآثار تلاش و تحقیق کی راہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اساتذہ، طلبہ اور علمِ حدیث سے شغف رکھنے والے حضرات اس کتاب سے کافی مستفید ہو رہے ہیں اور یقین کامل ہے کہ تا قیامت نفع حاصل کرتے رہیں گے۔ یوں تو شرح معانی الآثار کے پس منظر میں امام طحاوی کی بے شمار تحقیقات ہیں جن میں سے چند کو ہم ذیل میں نمونے کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

(۱) اعضاے وضو تین تین بار دھوئے جائیں یا ایک بار:

اس تعلق سے بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ چناں چہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اعضاے وضو تین تین بار دھوئے جائیں اور بعض حدیثیں ایک ایک مرتبہ دھونے پر دال ہیں۔ حصول مقصود کی بنا پر محض دو حدیثیں پیش کر رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے وضو میں اعضا کو تین تین بار دھویا اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طہارت ہے۔ عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو اعضا کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔ اب امام طحاوی نے اپنی بے مثال حدیث فہمی کی صلاحیت کو

بروئے کار لاتے ہوئے ان حدیثوں کا نچوڑ بایں طور بیان فرمایا کہ جو حدیثیں تین تین دفعہ دھونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ محض فضیلت و استحباب پر محمول ہیں اور جو احادیث ایک ایک بار دھونے کے تعلق سے وارد ہیں ان میں صرف ادائیگیِ فرض ہے۔

(۲) آگ میں پکی ہوئی چیز کا حکم:

اس باب میں دو فرقے کا اختلاف ہے۔ پہلا فرقہ جس میں حسن بصری، زہری اور ابو قلابہ وغیرہم کی شمولیت ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے اعادۂ وضو ضروری ہے۔ دوسرا فرقہ جس میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام اوزاعی اور امام اسحاق وغیرہم شامل ہیں، فرقۂ اولیٰ کے خلاف ہے۔ فرقۂ اولیٰ کی دلیل زید بن ثابت کی حدیث ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے تناول کر لینے کے بعد وضو کرو۔ علاوہ ازیں اس بارے میں اور بھی کثیر احادیث موجود ہیں، جن میں آقا علیہ السلام کے قول و فعل دونوں کا تذکرہ ہے، تقاضائے اختصار کے تحت کل کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ گروہ ثانی استدلال میں ابن عباس کی روایت کردہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے بکری کا شانہ تناول فرمایا، پھر نماز پڑھی اور دوبارہ وضو نہیں فرمایا۔ ان کے یہاں بھی اس کے علاوہ اور بھی متعدّد روایات ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہیں، اختصار کی بنا پر یہاں بیان نہیں کی جا رہی ہیں۔

گروہِ اولیٰ کی تردید:

اب مسئلہ مذکورہ کے تعلق سے امام طحاوی کی تحقیق ملاحظہ کیجیے، بے ساختہ سلامی پیش کرنے کو جی چاہے گا، جن روایات سے پہلے گروہ نے استدلال کیا ہے ان کی تردید ذیل کے جوابات سے ہو رہی ہے:

(۱) گروہِ اول کی ساری حدیثیں منسوخ ہیں اور دوم کی ناسخ۔

(۲) گروہِ اولیٰ کی روایت کردہ احادیث میں وضو سے مراد وضو لغوی ہے اصطلاحی نہیں اور وہ صرف ہاتھ کا دھونا ہے اور اگر وضو اصطلاحی مان لیا جائے تو فضیلت و استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کا آخری عمل وضو نہ کرنا تھا۔

عقلی دلیل:

قیاس بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہ کیا جائے، کیوں کہ جب گرم پانی سے وضو کرنا مباح ہے، تو پھر آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے اعادۂ وضو کس طرح ضروری ہو سکتا ہے، یوں تو پھر گرم پانی سے وضو نہ ہوگا، کیوں کہ وہ بھی آگ سے پکا ہوا ہے۔ دیکھیے امام طحاوی نے عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل سے کس طرح اپنے مسلک کو اجاگر کیا ہے۔

دو لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر شرح معانی الآثار کا پوری تحقیق اور گہری نظر کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ امام طحاوی دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ علمِ حدیث میں بھی کامل درک رکھتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ مقابل گروہوں کی جس محققانہ انداز میں وہ رد کرتے ہیں وہ ان کی بے مثال حدیث دانی پر دال ہے۔ ناسخ و منسوخ کی شناخت اور تفہیم، اسناد کی چھان پھٹک، احادیث سے استدلال کی کیفیت، انقطاعِ حدیث کی معرفت کے طریقے، حدیث معلل کے مسئلے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اگر کسی شخص کے اندر موجود ہوں تو اس وقت کے فنِ حدیث پر گرفت کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ اور امام طحاوی کے اندر تو یہ باتیں بدرجۂ اتم نظر آتی ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فنِ حدیث کی بساط پر ایک بے مثال اور لاجواب محدث کا نام امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی علیہ الرحمۃ ہے، جن کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

☆☆☆☆

ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

کٹیہار میں

مصباحی کتب خانہ

مسجد چوک، اعظم نگر، کٹیہار، بہار

راجستھان میں

جناب عبد الغفور صاحب

مکتبہ شیرانی، شیرانی آباد

چھوٹی کھاٹو، ناگور (راجستھان)

رضوی کتاب گھر

جامع مسجد منزل، صدر بازار

پوسٹ باسنی، ضلع ناگور (راجستھان)

مجدد الف ثانی

اور الحادِ اکبری کا انسداد

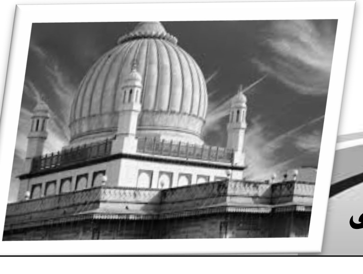

فہیم احمد ثقلینی ازہری

اکبر کے بعد اس کے بیٹے جہاں گیر نے ربیع الثانی ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد الف ثانی کو گوالیار کی جیل میں گرفتار کیا، مگر آپ نے اس میں بھی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور ہزاروں افراد کو کلمہ پڑھا کر داخلِ اسلام کیا۔ مقامِ مسرت ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے عملاً نافذ کیے جانے کی شرط پر آپ جیل سے رہا کیے گئے۔

امامِ ربانی کاشفِ اسرارِ سبع مثانی، عالمِ مقطعات قرآنی، مجدد الف ثانی حضرت سیدنا شیخ احمد فاروقی حنفی نقش بندی سرہندی ''تغمدہ اللہ تعالیٰ بغفرانہ'' کی ولادت باسعادت بمقام سرہند ضلع فتح گڑھ صوبہ پنجاب میں شبِ جمعہ ۱۴/شوال ۹۷۱ھ / ۵/جون ۱۵۶۴ء میں ہوئی۔ آپ کا وصال ۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ/۱۰/ دسمبر ۱۶۲۴ء بروز سہ شنبہ ہوا۔ آپ کی عمر شریف قمری حساب سے باسٹھ سال چار ماہ چودہ دن اور شمسی حساب سے ساٹھ سال چھ ماہ پانچ دن ہوئی۔

آپ کا سلسلۂ نسب امام الاعدلین امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اکتیس وسائط سے پہنچتا ہے۔ آپ کے چھٹے دادا امام شاہ رفیع الدین ہیں۔ ان کا مزار مضافاتِ سرہند میں ہے۔ جو علمِ ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کو حضرت جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں علیہ الرحمہ سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت مجدد کے آبا و اجداد میں آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی اور شہر سرہند کی بنیاد رکھی۔ امام رفیع الدین کے نویں دادا شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی تھے۔ ان کا مزار کابل سے بجانب شمال تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی بزرگ حضرت شیخ المشائخ فرید الدین مسعود گنج شکر (وصال ۶۷۰ھ) کے چھٹے دادا ہیں۔

حضرت مجدد کے والدِ محترم شیخ عبد الاحد فاروقی چشتی (وفات ۱۰۰۷ء) تھے۔ بڑے بافیض، صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، علومِ ظاہری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ معقولات و منقولات کے طلبہ آپ سے تحصیلِ علم کرتے تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ عبد القدوس چشتی گنگوہی (وصال ۱۵۳۷ء) کے مرید تھے اور خلافت آپ کے صاحب زادے اور خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین قدوسی گنگوہی سے حاصل تھی۔ کنوز الحقائق اور اسرار التشہد آپ کی تالیفات ہیں۔

تعلیم- حضرت مجدد نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر مروجہ علوم و فنون کی کتابیں اپنے والدِ محترم اور سرہند کے نامور جلیل القدر علما سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے ابتدائی دور سے ہی خداداد ذہانت و استعداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق اور پیچیدہ مسائل بخوبی سمجھنے لگے۔ پھر سیالکوٹ آئے، جہاں جامع معقولات حضرت مولانا کمال کشمیری سے علومِ معقولات اور علمِ کلام کی منتہٰی کتابیں پڑھیں بعض کتبِ حدیث حضرت شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے حاصل کیں۔ مولانا قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر بسیط، تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ، صحیح البخاری، الادب المفرد، ثلاثیاتِ بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور قصیدہ بردہ شریف تحقیق کے ساتھ پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں تمام علومِ ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ عربی و فارسی میں رسائل کی تالیف و تصنیف شروع کی۔

بیعت و خلافت: حضرت مجدد کو سلسلۂ چشتیہ کی اجازت و خلافت اپنے والدِ محترم حضرت شیخ عبد الاحد فاروقی چشتی سرہندی سے حاصل تھی۔ سلسلۂ کبرویہ کی خلافت اپنے استاذ مولانا شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے حاصل تھی۔ سلسلۂ قادریہ کی خلافت کا خرقہ نبیرۂ حضرت سید شاہ کمال قادری کیتھلی حضرت سید شاہ سکندر قادری کیتھلی (وفات ۱۰۲۳ھ) سے حاصل تھا۔ ۲۷/ جمادی الاول ۱۰۰۷ء میں والد محترم کے انتقال کے بعد زیارتِ حرمین شریفین کی غرض سے سرہند سے نکل کر دہلی پہنچے۔ ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی اور ان کے توسط سے قطب الاقطاب حضرت شیخ رضی الدین عبد الباقی بن عبد السلام بدخشی مشہور بہ باقی باللہ دہلوی علیہ الرحمہ (وصال ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے فیض باطنی و روحانی کا علم ہوا۔ حضرت مجدد خواجہ باقی باللہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلۂ نقش بندیہ میں بیعت ہو کر

اجازت وخلافت حاصل کی۔ حضرت مجدد کے مرشدِ بیعت حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی ہیں، باقی مشائخ عظام مرشد خلافت ہیں۔ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد اکبر آباد (موجودہ آگرہ) تشریف لے گئے جو شہنشاہ جلال الدین اکبر کا دار الحکومت اور علم و فن کا مرکز تھا، جہاں ابو الفضل اور ابو الفیض فیضی سے تعلقات قائم ہوگئے۔ دونوں بھائی اپنے منصب اور علمی جاہ وجلال کے باوجود آپ کی عالمانہ شان کے معترف اور قدر شناس تھے۔

جب آپ کا آگرہ کا قیام طویل ہوا تو والد ماجد کبر سنی کے باوجود سرہند سے آگرہ آئے اور فرزند بلند اختر کو ساتھ لے کر وطن واپس ہوئے، درمیانِ سفر جب تھانیسر پہنچے تو وہاں ایک رئیس شیخ سلطان جو حاکم علاقہ اور شہنشاہ ہند کا مقرب تھا، نے اپنی دختر نیک اختر کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت مخدوم عبد الاحد اپنے صاحبزادے اور بہو کو لے کر سرہند آگئے۔

۱۰۲۶ھ میں حضرت مجدد نے تبلیغ وہدایت اور دعوتِ اسلام کی خاطر اپنے کافی خلفا، تلامذہ اور مریدین ومتعلقین کو مختلف ممالک میں روانہ کیا۔ مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ستر افراد ترکستان بھیجے۔ مولانا فرخ حسین مجددی کی امارت میں چالیس مشائخ کو عرب، یمن، شام اور روم کی طرف روانہ کیا۔ شیخ محمد صادق کامل مجددی کے ماتحت دس مشائخ کو کاشغر بھیجا گیا۔ مولانا شیخ احمد برکی مجددی کی نگرانی میں بیس کامل شیوخ کو توران، بدخشاں اور خراسان روانہ کیا۔ ارشاد وہدایت اور تبلیغ اسلام کے ان وفود کو ہر جگہ بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے لاکھوں انسانوں نے فیض پایا۔

صرف انھیں علاقوں میں تربیت وارشاد کے لیے علما و مشائخ کے وفود بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ ان علاقوں میں آپ کے مریدین ومتعلقین موجود تھے مکتوبات کے ذریعہ حالات کا علم ہوا تو آپ نے ان مذکورہ مقامات پر ان وفود کو بھیجا، یہ بات مثل آفتاب روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجدد نے خوب کیا ہے۔ بخارا، سمر قند، بلخ، بدخشاں، قندھار، کابل، غزنی، تاشقند، یارکند، شہر سبز، حصار اور شادمان اہلِ اسلام کے گڑھ ہیں۔ وہاں نہ ہنود ہیں نہ نصاریٰ، نہ روافض، ان مقامات میں صرف آپ ہی کا طریقہ رائج ہے شاید کسی دوسرے سلسلۂ طریقت سے اہلِ اسلام میں سے کوئی وابستہ ہو۔

حضرت مجدد کو ۱۶۱۶ء میں مسلسل کئی اندوہناک حادثات سے دوچار ہونا پڑا، سرہند میں طاعون پھیل گیا جس میں بڑے صاحب زادے شیخ خواجہ محمد صادق (جو منتہی کتب کا درس دیا کرتے تھے) خواجہ محمد فرخ، خواجہ محمد عیسیٰ، مخدومہ صاحب زادی ام کلثوم اور دوسرے افرادِ خاندان کا انتقال ہوگیا۔ چند دنوں میں ایسے جانکاہ حادثات پیش آئے جو کسی بڑے سے بڑے حوصلہ مند انسان کی ہمت توڑ دینے اور اس کی ذہنی قوت کو متاثر کر دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ مگر حضرت مجدد پورے حوصلہ وعزم کے ساتھ صبر وشکر اور ثبات واستقلال کا کوہ گراں بن کر جمے رہے۔

آپ کے تجدیدی کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینِ اسلام کے ایک ہزار سال مکمل ہونے پر دوسرے ہزارے کے شروع میں پیدا فرمایا اور آپ کو دوسرے ایک ہزار سال کا مجدد بناکر مبعوث فرمایا۔ آپ نے اکبر بادشاہ کے وضع کردہ فرضی دھرم "دینِ الٰہی" کو ختم کیا۔ علماے سو اور مکار صوفی کی اصلاح فرمائی۔ احیاے طریقۂ نبویہ کو عام فرمایا۔ فلسفی افکار اور غیر شرعی نظریات اور فرسودہ مسائل وخیالات سے تصوف کی تطہیر فرمائی، کمالاتِ نبوت ورسالت کو از سرِ نو تازہ کیا۔

تالیفات و تصنیفات: امامِ ربانی ایک بلند پایہ ممتاز عالمِ دین تھے، انھوں نے دین وشریعت کی حمایت اور احیاے دین کے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے چند بیش قیمت تصانیف یادگار چھوڑیں، جن کی افادیت و تاثیر آج بھی قائم ہے۔ یہ مصنفات طالبِ حق اور اہلِ بصیرت کے لیے گراں قدر سرمایہ اور تلقین وہدایت کا سرچشمہ ہیں، آپ کی تالیفات کی ابتدا رسائل سے ہوئی ہے اور انتہا مکتوبات پر ہوئی۔ (۱) رسالہ تہلیلیہ - اس کو رسالہ تحقیق در کلمۂ طیبہ بھی کہتے ہیں (۲) رسالہ اثبات نبوت (اس کو رسالہ تحقیقِ نبوت بھی کہتے ہیں۔ (۳) رسالۂ ردِ شیعہ، اس کو رسالہ ردِ روافض بھی کہتے ہیں (۴) رسالہ معارف لدنیہ (۵) رسالہ مبدأ و معاد (۶) رسالہ شرح الشرح بعض رباعیات خواجہ باقی باللہ (۷) رسالہ مکاشفاتِ غیبیہ۔

اول الذکر دو رسالے عربی میں اور باقی پانچ فارسی میں ہیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں رسالہ اثبات نبوت کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ جذبۂ سلوک کا ذکر کیا ہے۔ شیخ بدر الدین سرہندی نے حضرات القدس میں رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ آداب المریدین کا نام لکھا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم اور شیخ بدر الدین نے آپ کی تصنیفات میں "تعلیقاتِ عوارف المعارف" کا ذکر کیا ہے۔ بعض ہم عصر فضلا کے التماس پر آپ نے "عوارف المعارف" کی عربی شرح بھی لکھنا شروع کی تھی۔ شیخ محمد اکرم نے "رودِ کوثر" ص:۱۶۷،۹ پر لکھا ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [متوفی ۱۱۷۶ھ] نے حضرت مجدد کے رسالہ ردِ روافض کا عربی ترجمہ کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے علوم ومعارف یہ ایک مستقل تحقیقی اور تفصیلی موضوع ہے جو الگ ایک کتاب کا متقاضی ہے۔ حضرت مجدد کے علوم ومعارف کے سلسلے میں شاہ غلام علی دہلوی (وصال ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

اپنے ملفوظات ”در المعارف“ میں لکھتے ہیں:

”امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو منجانب اللہ جو علوم و معارف عطا ہوئے وہ تین طرح کے ہیں۔ ان حقائق و معارف کی پہلی قسم وہ ہے جو آپ نے کسی سے بیان نہ فرمائے اور ان موتیوں کو تحریر و تقریر کے دھاگے میں بھی پرو دیا۔ اور دوسری قسم کے معارف و حقائق وہ ہیں جو آپ نے اپنی اولاد امجاد میں سے خاص حضرات سے بیان فرمائے۔ علوم و معارف کی تیسری قسم وہ ہے جو عام ہے، جو آپ نے اپنے تمام مریدین و متوسلین اور حلقہ بگوشوں سے بیان فرمائے اور ان کو تحریر بھی فرمایا ہے۔ چناں چہ مکتوبات شریف کے تینوں دفتر، ساتوں رسالے اور دیگر تالیفات اسی قسم سوم کے معارف و حقائق اور علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔“ انتہی کلامہ (ص:۲۳۳)

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے آپ کو ”عرفان کا مجتہدِ اعظم“ قرار دیا ہے، آپ کے رشحاتِ قلم کا مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے، آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکر و عرفان اور علوم و معارف، حقائق و دقائق کا اظہار کیا، جس کی مثال پہلے دور میں نہیں ملتی۔

امام سوادِ اعظم فی الہند مجددِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ) حضرت مجدد الف ثانی کے تجدید کارنامے اور ملتِ اسلامیۂ ہند پر احسان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”آج جو مساجد میں اذانیں دی جا رہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول، جل جلالہ و ﷺ۔ کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد میں کی جاتی ہے۔ لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں، ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بارِ منت ہے۔ اگر حضرت مجدد اس الحاد و ارتدادِ اکبری کے دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قران قران، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ۔ سیرت مجدد الف ثانی، تقدیم، ص:۱۰۔

اولاد: حضرت مجدد کے سات فرزند تھے جن میں سے چار کا وصال آپ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف ایامِ طفولیت ہی میں داغِ مفارقت دے گئے، خواجہ محمد صادق تکمیلِ علم ظاہر و باطن کے بعد درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے اور پچیس سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ وفات پائی۔ خواجہ محمد سعید نے علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد حضرت مجدد کے مشن کو آگے بڑھایا۔ خواجہ محمد معصوم علومِ اسلامیہ کے ماہر اور علمِ باطنی کے کامل تھے۔ آپ حضرت مجدد کے خلیفہ و جانشین ہوئے جن کی مساعیِ جمیلہ سے سلسلۂ مجددیہ کو ہند اور بیرون ہند بڑا فروغ و استحکام حاصل ہوا۔ شہنشاہ اورنگ زیب آپ ہی سے بیعت تھے جن کی روحانی تربیت آپ کے فرزند خواجہ سیف الدین نے کی تھی۔

حضرت مجدد اور حدیث صلہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد کو صاحبان شریعت اور صاحبان طریقت کے درمیان ”صلہ“ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے دونوں کو یک جان کر دیا۔ سرشار بادۂ احمدی حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے ”حدیثِ صلہ“ کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے اس کی تلخیص ہدیۂ ناظرین ہے۔

”ایک مرتبہ حضرت مجدد کو سرکار دو عالم ﷺ سے بشارت ملی کہ تمھاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے۔ اس بشارت کے ملنے پر آپ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور تحدیثاً بنعمۃ اللہ اس بشارت کا بیان کیا۔ میں اس وقت حاضر تھا، آپ نے دوسرے دفتر کے چھٹے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے: میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا ہوں وہ پورا ہو گیا اور ایک ہزار سال کی طلب مقرونِ اجابت ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ میں اصلاح کرنے والا بنایا۔ امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں اس حدیث کو نقل کیا ہے: ”یَکُوْنَ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ کَذَا وَکَذَا.“ میری امت میں ایک شخص ہو گا اور اس کو صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے اتنے اتنے افراد جنت میں جائیں گے۔“

اس حدیث کو مشہور مورخ امام محمد بن سعد نے ”طبقات الکبریٰ“ ج:۷، ص:۱۳۴، امام ابو نعیم اصفہانی نے ”حلیۃ الاولیاء“ میں، امام ابن حجر عسقلانی نے ”الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ“ ج:۳، ص:۵۲۵، اور امام علی المتقی الہندی نے ”کنز العمال“ ج:۷، ص:۱۳۱ میں نقل کیا ہے۔ حضرت مجدد پر جو کشف ہوا اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے خواہ وہ کسی کے نزدیک ”ضعیف“ ہی کیوں نہ ہو۔ بابِ فضائل میں حدیثِ ضعیف بھی معتبر ہے۔ آپ کی اس تحریر پر اور آپ کے مبشر ہونے پر ”حدیث صلہ“ پوری طرح صادق آ رہی ہے۔ ہزار کے دور میں صلہ کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپ کے اس استنباط کی تائید نقلیات اور کشفیات سے بھی ہو رہی ہے۔

اس حدیث میں ”البحرین“ (دو سمندروں) سے مراد شریعت و طریقت ہے اور دو گروہوں سے مراد علمائے اسلام اور مشائخ کرام ہیں۔ شریعت و طریقت میں علمائے سو اور مکار صوفیہ نے جو اختلاف برپا کر رکھا تھا وہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کی وجہ سے ختم کر دیا اور علما و مشائخ کا اختلاف دور ہو گیا۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود: شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فلسفہ وحدۃ الوجود پیش کیا تھا۔ حضرت امام ربانی نے اس فلسفہ کے بغائر مشاہدہ کے بعد وحدۃ الشہود کا تصور اور نظریہ پیش کیا۔

وحدۃ الوجود: وجود ایک ہے اور کائنات میں سوائے ایک وجود کے کوئی چیز موجود نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ہر شے اس کا مصدر یا مظہر ہے، کائنات میں وحدت ہے۔ وحدت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جیسے سمندر سے لہریں اٹھتی ہیں، ان کا وجود سمندر سے الگ نہیں ہے۔ اسی لیے جملہ مخلوقات کا وجود اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے، یہاں پر ایک وجود کے سوا کوئی اور وجود نہیں۔

وحدۃ الشہود: دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے۔ اتحاد اور حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ساری کائنات خدا نہیں بلکہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جلالت نظر آتی ہے۔ اس میں وحدت ہے، ساری مخلوق خدا کے عکس کا پرتو ہے، اس کے عکس میں وحدت ہے صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود فی ذاتہ کامل ہے۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے صفات کی احتیاج نہیں، صفات اس کے وجود کے تعینات ہیں۔ وہ وجود ہے لیکن اس کا وجود خود اس کی ذات سے ہے۔ وہ سمیع ہے اپنی ذات سے، وہ علیم ہے اپنی ذات سے، وہ بصیر ہے اپنی ذات سے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات نہیں بلکہ اس کی ذات کے اظلال ہیں۔

جو صوفیہ کرام "ہمہ اوست" [وحدۃ الوجود] کے قائل ہیں وہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلّیت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ وجود و تحقیق کے لحاظ سے۔ اگرچہ ان کی عبارت کے ظاہر سے اتحاد وجودی کا شبہہ ہوتا ہے مگر حاشا کہ ان کی وہ مراد ہو کہ وہ تو کفر و الحاد ہے اور چوں کہ ان کا کہنا ظہور کے لحاظ سے تھا، نہ کہ نفسِ وجود کے لحاظ سے، اس لیے "ہمہ اوست" کے معنیٰ "ہمہ ازوست" ہی ہیں۔ اگرچہ وہ "ہمہ اوست" کہے جاتے ہیں۔ لیکن ان کلمات سے ان کی مراد "ہمہ ازوست -وحدۃ الشہود" ہوتی ہے۔

مجدد کسے کہتے ہیں: مجدد باب تفعیل کے مصدر "تجدید" سے اسم فاعل ہے۔ یعنی پرانے کو نیا کرنے والا۔ حدیث شریف میں مجدد کا بیان اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عَزّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہٖ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا. (رواہ ابو داود، مشکوٰۃ، کتاب العلم، ص:۳۶.)

اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تاکہ وہ امت کے واسطے ان کے دین کی تجدید کرے گا۔

ملا علی قاری نے اس حدیث شریف کے بیان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں لوگ کسی بدعت کو رائج اور کسی سنت کو ضائع نہ کریں۔ یہاں تک کہ سنتیں ختم اور بدعتیں رائج ہو جائیں گی۔ (مرقاۃ المفاتیح،۱/۲۴۸)

مشکوٰۃ المصابیح میں اس کے بعد یہ حدیث ہے:

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عادل اور ثقہ افراد اپنے اسلاف کے جانشینوں سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے بعد غلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل پرستوں کی غلط دعادی اور جاہلوں کی تاویلات کا انتفا کریں گے۔ (مفہوم الحدیث)

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کا بیان ہے جن کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کریں گے۔ (۱) غلو کرنے والوں کی تحریفات کا (۲) باطلوں کے غلط عادی کا (۳) جاہلوں کی تاویلات کا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے جتنے تجدیدی کارنامے انجام دیے ان میں یہ تینوں سر فہرست ہیں اور آپ کی ذات سے یہ خرافات ختم ہوئیں، جیسا کہ سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "در دفعِ اعتراضات" مشمولہ۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی، ص:۲۴۲، کے آخر میں لکھا ہے۔

ترجمہ: اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل طریقت کے مبتدعین اور شرک خفی و جلی کے معتقدین کے شبہات بالکل دور ہو گئے۔ اور اللہ کے فضل سے آپ کی پیروی کرنے والے سنتِ مطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے کو بچانے میں پیش قدم ہیں۔

حضرت خواجہ محمد ہاشم احمدی کشمی نے زبدۃ المقامات کی فصل ششم میں علامۂ روزگار استاذ العلما حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ "مجدد الف ثانی" کا خطاب انھوں نے آپ کے واسطے تجویز کیا۔ لہٰذا تمام عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور ہر ہمہ و شما بلکہ آپ کے معاندین و حاسدین تک آپ کو "مجدد الف ثانی" کے نام سے یاد کرتے اور لکھتے ہیں۔

متقدمین کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے علما اور دانش وروں نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو "مجدد الف ثانی" کہنے کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اجمالاً چند توجیہات ذکر کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ تاریخِ اسلامی کے دوسرے ہزارے میں پیدا ہوئے، دوسرے

یہ کہ مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارنامے ہزار سال کے سرے پر ظہور پذیر ہوئے، اس لیے ان کو الف ثانی یعنی دوسرے ہزارے کا مجدد کہا گیا۔ آپ کو مجدد الف ثانی کہنے کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے اکبر بادشاہ کے "نظریۂ الف ثانی" کو اپنے قول و فعل اور عمل سے باطل قرار دیا۔ یعنی یہ کہ اسلام اپنی تاریخ کے ہزار سال مکمل کر چکا جو کسی مذہب کی طبعی عمر ہوتی ہے، اب نئے ہزارے میں نئے دین کی ضرورت ہے۔ ان توجیہات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے ایک ہزار سال کا مجدد بنا کر مبعوث فرمایا۔

حضرت مجدد اپنے فرزند اکبر حضرت خواجہ محمد صادق کو دفتر اول کے مکتوب ۲۳۴ میں لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے فرزند! زمان سابق میں ایسے ظلمت بھرے وقت میں پہلی امتوں میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اولو العزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی، اس امت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالم کی ضرورت ہے جو احکامِ شریعت سے باخبر اور اسرار و حقائق و رموزِ طریقت کا عارف اور شناسا ہو۔

دین الٰہی کا انسداد: شاہانِ دہلی میں تیسرا مغلیہ بادشاہ جلال الدین محمد اکبر، بادشاہ ہند نصیر الدین محمد ہمایوں کا بیٹا تھا۔ ۵/ رجب ۹۴۹ھ/۱۵/ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو صوبہ سندھ کے علاقہ ٹھٹھ میں نبمقام "امرکوٹ" پیدا ہوا۔ ۲۴/ جون ۱۵۵۶ء کو ہمایوں کے انتقال کے بعد اکبر تخت نشین ہوا۔ شمسی تاریخ کے اعتبار سے بوقت تخت نشینی اکبر کی عمر ۱۳/ سال ۹/ مہینے تھی۔ اور قمری تاریخ کے اعتبار سے چودہ سال چند مہینے تھے۔ اکبر کا دورِ حکومت ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تک ہے۔ غیر جانب دار اور حقیقت پسند مورخین کی نظر میں اکبر کا دور مجموعی حیثیت سے الحاد و بے دینی کا دور تھا۔ اکبر چودہ سال کی عمر میں بادشاہِ ہندوستان بن گیا تھا۔ تخت نشینی کے بعد بہرم خان، ملا عصام الدین ابراہیم، ملا بایزید، ملا عبد القادر بدایونی اور ملا پیر محمد نے تحصیلِ علم کی طرف بہت زیادہ راغب کرنا چاہا، مگر وہ لوگ ناکام رہے، نتیجتاً اکبر ان پڑھ اور جاہل رہا۔

اکبر بادشاہ کے ایمان و عقائد میں کس طرح اور کب کب بگاڑ و فساد آیا، اس کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ واضح رہے دین الٰہی کے موجدین اور معاونین علماے سو تھے، جن کی بے راہ روی اور بد عملی کے نتیجے میں دینِ اکبری وجود میں آیا۔ امرا، نوابین، سیاسی رہ نما اور اکبر کے وزرا کا اس میں اولاً عمل دخل نہیں تھا۔ انھیں علماے سو کے پیرو کار اور اولادِ معنوی آج بھی خانقاہوں کے مشائخ عظام اور سرکردہ علماے کرام پر صلح کلیت، ارتداد، الحاد اور کفر کے فتوے صادر کر کے علما و مشائخ کو جماعت اہل سنت اور اسلام سے خارج کر کے در پردہ اکبری الحاد کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ اکبری الحاد و بے دینی کا جائزہ لینے کے لیے ہم اکبر کی زندگی کو تین ادوار پر تقسیم کر رہے ہیں۔

دورِ اول: اکبر کی زندگی کا دورِ اول تخت نشینی کے سال ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء سے ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء تک ہے۔ اس دور میں اکبر دین دار، سنی صحیح العقیدہ مسلمان نظر آتا ہے، اٹھارہ بیس سال کی عمر تک اس کا یہ حال تھا کہ احکام شریعت کو باادب سنتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا، اذان کہتا تھا، مسجد میں جھاڑو لگاتا تھا، علما و مشائخ کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ اپنے درباری علما، فقہا اور مفتیوں کو غزالی و رازی سے افضل تصور کرتا تھا۔ صوفیا اور صلحا کے گھروں اور آستانوں پر حاضری لگاتا تھا۔ اکابر علما و مشائخ کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، امورِ سلطنت، مقدمات شرع شریف کے مطابق صادر ہوتے تھے۔ امورِ سلطنت کی انجام دہی کے لیے علما، قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ شیخ سلیم چشتی کی درگاہ فتح پور میں پابندی سے حاضری دیتا تھا، محلات کے پیچھے گوشۂ تنہائی میں الگ ایک قدیم حجرہ تھا۔ نور کے تڑکے، صبح سویرے، رحمت کے اوقات مراقبہ میں صَرف ہوتے تھے۔ عاجزی و نیاز مندی کے ساتھ اوراد و وظائف پڑھتا تھا۔ اوقاتِ مخصوصہ میں خوب دعائیں کرتا تھا۔ عام صحبت میں بھی اکثر خداشناسی، معرفت، شریعت اور طریقت ہی کا تذکرہ ہوتا تھا۔ رات میں علما و فضلا کا دربار میں اجتماع ہوتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اپنے فطری صلح کل رجحان کے تحت اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کی تھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس دور میں اکبر الحاد و بے دینی کی طرف طبعاً مائل نہ تھا، غیر شرعی امور کا ظہور محض سیاسی مصلحتوں کے تحت ہوا تھا، جو بہر حال عندالشرع قابلِ گرفت ہے۔ اکبر کے اولادِ نرینہ نہ تھی چناں چہ اس نے فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتی [۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء وفات] سے دعا کی درخواست کی۔ ۱۷/ ربیع الثانی ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں نور الدین جہانگیر پیدا ہوا۔ اس موقع پر اکبر کی صوفیا، اولیا سے عقیدت کا اس بات سے اظہار ہوتا ہے کہ وہ منت پوری کرنے آگرہ سے پاپیادہ اجمیر شریف حاضر ہوا۔

عہدِ اکبری کے دوسرے دور کا جائزہ لینے سے پہلے ان تین اشخاص کا مختصر تعارف ضروری ہے جنھوں نے اکبر کے ذہنی انقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ شیخ مبارک ناگوری، ابو الفضل، ابو الفیض فیضی۔ شیخ مبارک ناگوری [وفات ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء] بن شیخ خضر ناگوری متبحر عالم تھے۔ بقول مولانا غلام علی آزاد بلگرامی [وفات ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء] کو موصوف نے پانچ سو ضخیم مجلدات بدست خود تحریر کیں۔ آخر عمر میں قوت باصرہ جواب دے چکی تھی مگر محض قوت حافظہ کی بنا پر "تفسیر عیون المعانی" کی چار جلدیں محرروں سے لکھوائیں۔ لیکن اس تمام تبحرِ علمی کے باوجود الحاد و بے دینی کے فروغ میں جو

کارہاے نمایاں انجام دیے وہ تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب ہے۔

شیخ ابوالفیض فیضی اور شیخ ابوالفضل دونوں شیخ مبارک ناگوری کے لڑکے تھے، والد کی طرح یہ دونوں بھی قابل عالم تھے، فیضی کے تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ قرآن پاک کی تفسیر غیر منقوط "سواطع الالہام" لکھی۔ منتخب التواریخ میں مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں، مذکورہ بالا تینوں حضرات نے باوجود علم وفضل کے علماے اسلام کی بیخ کنی کی اور سرِ دربار ذلیل کرایا جس سے خود اسلام کا ناتلافی نقصان ہوا۔

دورِ دوم: عہدِ اکبری کا دوسرا دور ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء سے ۹۸۵ھ/۱۵۷۸ء تک ہے۔ اس دور میں ایک عمارت تعمیر کی گئی جس کا نام شیخ عبداللہ سرہندی نے "عبادت خانہ" رکھا۔ اسی عبادت خانہ کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اکبر کو اصولی، فروعی مسائل کا چسکا لگا ہوا تھا، اس لیے عبادت خانہ میں ہر جمعہ کی رات میں علمی مجلس منعقد ہوتی تھی، جس میں ہر مکتبِ فکر کے علما اور دانش ور شریک مباحثہ ہوتے تھے۔ بادشاہ الطافِ خسروانہ سے نوازتا، اسی مالی فیضان کے نتیجہ میں علما میں بغض و حسد پیدا ہو گیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی مرحوم کی شہادت کے مطابق سو سے بھی زائد علما شریکِ مباحثہ ہوتے تھے۔ اولاً علما میں نشستوں پر باہمی چپقلش شروع ہوئی، مالی فیضان کا حرص نشستوں پر تنازع وغیرہ کے سبب بادشاہ کے دل سے علما کا وقار ختم ہو گیا۔ مختلف فیہ مسائل پر حکیمانہ اور عالمانہ تبادلۂ خیال کے بجاے اس طرح لڑتے جھگڑتے گویا کہ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے۔ آپس میں تیغ زبان کھینچ کر ایک دوسرے کو کافر و گم راہ کہنے لگے۔ عامیانہ طریقے سے اس طرح بحث و مباحثہ کرتے کہ رگیں پھول جاتیں، کبھی عبادت خانہ میں اتنا شور شرابہ ہوتا کہ کانوں دھرا سنائی نہ دیتا۔ مولانا مفتی الحاج محمد ابراہیم سرہندی [وفات ۹۹۴ھ] کے فتویٰ پر تو علما اتنا برہم ہوئے کہ دوسرے کو مارنے کے لیے اپنے عصا اور چھڑیاں اٹھا لیں۔ اس قسم کی بے ہودہ اور مذہب و اخلاق سے گری ہوئی باتوں کو دیکھ کر اکبر علما سے بدظن ہو گیا۔ اتنی بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ علما کے دو گروہ ہو گئے، ایک سنی صحیح العقیدہ علما کا گروہ دوسری طرف آزاد خیال گم راہ علما تھے۔ دوسرے دور میں یہ مناظرے اور مباحثے مسلم علما تک محدود تھے، چناں چہ علماے حق کے صدر شیخ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی تھے، علماے سو کے سرپرست شیخ مبارک ناگوری اور ان کے صاحب زادگان تھے۔ اکبر کے مزاج صلح کل میں اس کی ہندو بیویوں کا بھی اثر و رسوخ تھا۔ سیاسی مصلحت اور بیویوں کی وجہ سے اکبر صلح کل اور علماے سو کا حامی تھا۔

عہدِ اکبری کا تحقیقی اور مذہبی حالات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علماے سو اور مغضوب ملاؤں کی کارستانیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ لوگ ابن الوقت اور بندۂ زر تھے۔ علم سے نابلد ہونے کی وجہ سے اسلاف و اکابر علما و مشائخ کو بھی انھیں علماے سو پر محمول کر لیا۔ عبادت خانہ میں علما کی ذلیل و رذیل اور خسیس حرکتوں کو دیکھ کر ایک روز اکبر نے شیخ مبارک ناگوری سے کہا، مولانا محترم! ہم کو ان ملاؤں سے کیوں نجات نہیں دلواتے۔

ماہ رجب ۹۸۷ھ میں درباری علماے سو سے ایک محضر نامہ تیار کرایا، جس کا مضمون یہ تھا:

"امامِ عادل، مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ مجاز ہے اس بات کا کہ مسئلہ مختلف فیہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے۔ معاملات شرعیہ میں کسی کو اس کی راے سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ امام عادل معاملات کو مجتہدین سے زیادہ سمجھتا ہے۔ پس جو اس سے مخالفت کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں مستوجبِ عذاب ہے، بلکہ امامِ عادل کو اس کا بھی اختیار رہے کہ کوئی حکم ایسا بھی اپنی طرف سے جاری کرے جو نص کے مخالف ہو، مگر اس میں خلائق کی رفاہت مد نظر ہو، اور امامِ عادل کے ایسے مسائل کی تعمیل سب پر واجب ہے۔" (خلاصۂ محضر نامہ)

اکبر کی اس بے راہ روی کو دیکھ کر ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء میں جون پور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو گیا ہے، اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔ دربار میں قطب الدین خاں کوکہ اور شہباز خاں کنبوہ نے بڑی جرأت سے بادشاہ کو سمجھایا لیکن اقتدار کا نشہ برا ہوتا ہے، اکبر نے بہانہ سے ملا یزدی، معز الملک، قطب الدین خاں کوکہ اور شہباز خاں کنبوہ کو الگ الگ مقامات پر دریا میں ڈبو دیا۔ باقی علما کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

اس کے بعد ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء میں عبادت خانہ میں علماے اسلام کے علاوہ جینی، ہندو، زرتشتی، بودھ، یہودی، عیسائی، پادری اور دیگر مذاہب کے آزاد خیال علما بھی مناظرہ و مباحثہ میں شریک ہونے لگے۔ عبادت خانہ میں اسلام مخالف ہر دلیل کو نص قطعی سمجھا جانے لگا، اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ ۱۵۸۰ء میں مولانا شیرازی نے اکبر کو مہدیِ موعود ہونے کا دعویٰ کرنے کے لیے سمجھایا اور اعلان کر دیا گیا۔ دوسرے دور کے اختتام تک اکبر اسلام سے بہت دور جا چکا تھا، مسلمان بھی نہیں تھا اور نہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کیا تھا اور نہ کسی جدید دھرم کا اعلان کیا تھا۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ دیگر اور بہت سے واقعات ہیں جو دوسرے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

دورِ سوم: الحادِ اکبری کا تیسرا دور ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تک ہے۔ اس دور کا آغاز "دینِ الٰہی" سے ہوتا ہے۔ اس مذہب نو کی بنیاد ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں رکھی گئی، یہ نظریۂ توحید وجودی کی ایک مبہم و غیر واضح شکل ہے جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل ہیں۔ زرتشتی،

چینی، ہندو اور بودھ وغیرہ ادیان باطلہ کا معجون مرکب تھا اور اسلام کے نظریۂ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی تھی۔ اس تیسرے دور میں اکبر مکمل ملحد وگم راہ اور کافر نظر آتا ہے۔ شیخ مبارک ناگوری، ابوالفضل فیضی، شیخ تاج الدین وغیرہ نے آیات واحادیث کی من گڑھت تاویلیں کیں جن سے خود اکبر بھی حیران وششدر رہ گیا۔ اب ذیل میں الحادِ اکبری [دینِ الٰہی] کے معتقدات کی اجمالی فہرست ہدیۂ قارئین ہے:

(۱) ملا عبداللہ سلطان پوری نے حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا (۲) ملا سعید نے داڑھیاں منڈوانے کے سلسلہ میں ایک حدیث گڑھی (۳) بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز کیا (۴) لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کلمہ پڑھنے کا حکم دیا (۵) سود کو حلال قرار دیا (۶) جزیہ موقوف کر دیا گیا، عربی علوم پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی (۷) داڑھیاں منڈوانے کے احکام جاری کیے گئے (۸) ختنہ کے لیے کم از کم عمر ۱۲؍ سال مقرر ہوئی (۹) شراب کو حلال اور پاک قرار دیا گیا (۱۰) چار وقت آفتاب کی پرستش لازم قرار دی گئی (۱۱) مساجد کو مندروں میں تبدیل کر دیا گیا (۱۲) روزہ رکھنے کی ممانعت قرار دی گئی (۱۳) خنزیر اور سور کے گوشت کو جائز قرار دیا گیا (۱۴) قرآن، حدیث، نبوت ورسالت، وحی، حشر ونشر، جنت و دوزخ کا مذاق اڑا کر انکار کیا گیا (۱۵) ماتھے پر قشقہ لگانا، گلے میں زنار پہننا، غسلِ جنابت نہ کرنا، دینِ الٰہی کا شعار قرار دیا گیا۔ (۱۶) ستم بالائے ستم یہ کہ مے فروشی کے اہتمام میں شراب کی دوکان دربار میں لگائی گئی۔ فیضی، شیخ الاسلام، مفتی صدر جہاں، میر عدل اور میر عبدالحی خم پہ خم چڑھانے لگے۔ (۱۷) میت کی تدفین کا نرالا طریقہ یہ نکالا گیا کہ تھوڑا غلہ خام لے کر پکی اینٹ کے ساتھ اس کے گلے میں باندھ کر دریا برد کر دیا جائے۔ پانی نہ ہو تو جلایا جائے یا درختوں پر لٹکا دیا جائے۔ اگر زمین میں دفن کیا جائے تو میت کا سر بجانب مشرق اور پاؤں بجانب قبلہ کیے جائیں۔ [مزید تفصیل کے لیے کتاب "مجدد الف ثانی، از پروفیسر مسعود احمد نقش بندی مرحوم کراچی، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین از مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی ازہری دہلوی کا مطالعہ کریں۔]

دینِ الٰہی کے وجود اور دیگر سرگرمیوں کو بخوفِ طوالت چھوڑ کر اکبر کی موت کا جائزہ لیا جائے۔ تاریخ نویسوں نے اکبر کی موت کے مختلف اسباب ذکر کیے ہیں۔ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا۔ ملا عبد القادر بدایونی مرحوم کی مرتب کردہ تاریخی کتاب منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ابوالفضل کی مرتب کردہ کتاب "آئین اکبری" [اکبر نامہ] ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء میں مکمل ہو چکی تھی۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ صحیح پتہ نہیں کہ اکبر نے کس حالت میں رحلت کی۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی [وفات ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء] نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید بخاری الملقب مرتضیٰ خاں [وفات ۱۶۱۶ء] [جو جہانگیر کی تخت نشینی کے منصب پنج ہزاری اور عہدۂ میر بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔ سلیم گڑھ دہلی میں ان کے گھر اکبر اور جہانگیر ٹھہرا کرتے تھے] کو جس انداز میں تعزیت نامہ تحریر کیا ہے، اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اکبر بے دینی اور گم راہی کی حالت میں دنیا سے گیا اور مرتے وقت مسلمان نہیں تھا۔ اس نے پیغمبری کے دعوے کے ساتھ ساتھ خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اکبر بادشاہ اور حضرت مجدد کی ملاقات، بحث و مباحثہ اور مناظرہ ہوا یا نہیں۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے، دونوں کی آپس میں ملاقات اور بحث و مباحثہ ہوا ہے پروفیسر ماہرِ مجددیات محمد مسعود احمد نقش بندی کی تحقیق کے مطابق حضرت مجدد کی ملاقات اکبر بادشاہ سے نہیں ہوئی ہے۔ دورِ اکبری میں حضرت مجدد کی اصلاحی سرگرمیاں خاموش طریقے سے جاری رہیں۔ اور جب اکبر کی موت کے بعد ۲۱؍ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں نور الدین محمد جہانگیر "بادشاہ غازی" کے نام سے تخت نشیں ہوا، حضرت مجدد بھی پوری تیاری اور عزم و حوصلہ کے ساتھ کھلم کھلا میدانِ عمل میں اتر پڑے، اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی، علم و ظاہر و باطن میں کمال پیدا کر لیا تھا، چوں کہ اس وقت بے دینی، بے راہ روی دربار سے شروع ہوئی تھی اور دینِ اکبری کو شاہی سرپرستی حاصل تھی اس لیے حضرت مجدد نے جہانگیری دربار کے امرا، وزرا، اعیانِ سلطنت اور اربابِ اقتدار ہی کو دینِ حق کی طرف مائل کرنے اور اکبری عہد کی بدعات و خرافات کو دور کرنے اور اسلام کے نقصان کی تلافی کے لیے آمادہ کیا۔ اسی مقصدِ خیر کے لیے تمام نام ور امرا کو مکتوب ارسال کیے، ان تمام مکتوبات کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ جہانگیر راجہ بہاری مل کی لڑکی سے پیدا ہوا، اور راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے شادی کی، اس کے علاوہ اور بھی ہندو بیویاں تھیں، اس کے باوجود اول و آخر مسلمان تھا۔ وہ تمام حضرات جو بادشاہ کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتے تھے یا اسے کوئی بھی مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے، مثلاً سید صدر جہاں، خان جہاں، شیخ فرید بخاری وغیرہ کو تفصیلی مکتوبات ارسال کیے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت میں انقلاب آگیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ایسی صورت میں علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویجِ شریعت کی طرف مبذول کریں۔ خان جہاں کو مکتوب میں لکھا جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی بات سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا ہی اچھا ہو کہ صراحتاً یا کنایتاً معتقدات اہلِ سنت و جماعت کے مطابق کلمۂ حق اس کے کانوں تک پہنچائیں۔ شیخ

فرید بخاری کو لکھا کہ آپ تمام مواقع پر نظر رکھیں، مسائلِ شرعیہ بیان کرتے رہیں تا کہ کوئی مبتدع اور گم راہ درمیان میں حائل نہ ہو اور بادشاہ کو راہ راست سے نہ بہکائے۔ حضرت مجدد کی رہ نمائی سے ان حضرات نے موقع و محل دیکھ کر جہانگیر کی ذہن سازی کی اور ان تمام لوگوں کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک دن وہ آیا جب خود بادشاہ نے شیخ فرید بخاری کو حکم دیا کہ بادشاہ کو امورِ شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے علما کی ایک مجلس قائم کی جائے، جب یہ خبر حضرت مجدد تک پہنچی آپ نے فوراً شیخ فریدی بخاری کو مکتوب ارسال کیا اور لکھا، ایسے دین دار علمائے آخرت جو حبِ جاہ و ریاست کے طالب نہ ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی مقصد نہ رکھتے ہوں، اگرچہ تعداد میں بہت قلیل ہوں، اگر علمائے سو ہوئے تو ترویج شریعت کے بجائے تخریبِ دین ہو جائے گا۔ اس لیے کہ خلائق کی رستگاری اور فلاح و صلاح علمائے حق کے وجود سے وابستہ ہے، علمائے حق بہترین مخلوق ہیں۔ اسی طرح دنیا کا زیاں مخلوق کا بگاڑ علمائے سو کے وجود سے وابستہ ہے۔ علمائے سو بدترین مخلوق ہیں، ہدایت و گمراہی ان ہی دونوں پر موقوف ہے۔

(خلاصہ مکتوب دفتر اول، مکتوب نمبر ۴۷)

آگرہ کے علمائے سو نے جب دینِ الٰہی کو خاک میں ملتا دیکھا، دوبارہ سرگرم ہو گئے اور موقع پاتے ہی جہانگیر بادشاہ کو اطلاع دی کہ سرہند کا ایک شیخ زادہ اپنے کو صدیقِ اکبر سے افضل سمجھتا ہے اور ایسے دعوے کرتا ہے جس سے کفر لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد کی خلائق میں یہ مقبولیت اور اس سے حکومت کو پہنچنے والے خطرات سے بادشاہ کے کان بھرے۔ مخالفین و حاسدین کی سازش کارگر ثابت ہوئی اور مسئلہ کو سیاسی رنگ دیا گیا کہ جہانگیر نے حاکمِ سرہند کی معرفت حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا۔ آگرہ میں حضرت مجدد کو دربارِ شاہی میں حاضر کیا گیا، جہانگیر نے اپنا اعتراض پیش کیا، حضرت مجدد نے مدلل جواب دیا، جس سے بادشاہ مطمئن ہو گیا اور اس کا عتاب جاتا رہا۔

(تفصیل کے لیے "پروفیسر مسعود احمد نقش بندی کی کتاب مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کی تذکرۂ مشائخ عظام کا مطالعہ کریں)

اسی دوران ایک درباری نے بادشاہ سے کہا: حضور ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں، اس نے سجدہ تو کجا معمولی تواضع بھی نہیں بجالایا۔ اس بات پر بادشاہ خفا ہو گیا اور بالآخر ربیع الثانی ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد کو قلعۂ گوالیار میں اسیر کر دیا۔ اور ایک سال آپ نے سنتِ یوسفی ادا فرمائی۔ قلعۂ گوالیار میں بھی دورانِ قید آپ دینِ الٰہی کی تردید اور دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں پورا قید خانہ کفر و شرک اور فسق و فجور سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر جہانگیر نے آپ کو قید خانہ سے رہا کر دیا۔ آپ اس شرط پر رہا ہوئے کہ دینِ الٰہی کے تمام اصول کالعدم قرار دیے جائیں اور شریعتِ اسلامیہ کو عملاً نافذ کیا جائے۔ بادشاہ نے یہ شرط تسلیم کی اور آپ قلعہ گوالیار کی جیل سے باہر آئے۔

آخری بات: عہدِ اکبری کے مذہبی اور سیاسی حالات جاننے کے لیے تین ماخذ ہیں، ایک آئینِ اکبری (اکبر نامہ) مصنف ابوالفضل۔ دوم منتخب التواریخ، مصنف ملا عبد القادر بدایونی مرحوم۔ تیسری کتاب ایک عیسائی مشنری کے سرگرم رکن پادری کی ہے۔

آئینِ اکبری، بادشاہ اکبر کی تصحیح اور اصلاح و مشورہ کے بعد مرتب کی جاتی تھی اس لیے قطعی طور پر مذہب مخالف، اکبر کی اعتقادی حالت اس میں درج نہیں ہو سکتی۔ ابوالفضل خود الحاد پرست اور دینِ الٰہی کے موجدین میں سے تھے، اس لیے اس نے منفی خیالات اور حالات اس میں ذکر نہیں کیے۔ تیسری کتاب کا مصنف عیسائی مشنری کا سرگرم رکن تھا، اسلام مخالف حالات اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، نہ اس نے لکھے، ماخذ دوم منتخب التواریخ ہے ملا قبد القادر بدایونی اسلام مخالف تمام حالات بنظرِ غائر دیکھتے رہے اور خاموشی سے نوٹ کرتے رہے، یقیناً یہی ایک معتبر ماخذ ہے۔ رودِ کوثر کے مصنف شیخ محمد اکرم کی نظر میں نہ تو منتخب التواریخ معتبر ہے اور نہ مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "تذکرہ"، حضرت مجدد کے حالات اور دینِ الٰہی کے تعلق سے یقیناً شیخ محمد اکرم نے تعصب، حسد، جانب داری اور تاریخ سازی سے کام لیا ہے۔ اس لیے کہ یہ وہابی مزاج تھے، سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ "اکبر بادشاہ کے عقائد میں کوئی بگاڑ یا فساد نہیں ہوا تھا اور نہ دینِ الٰہی کوئی نیا دین تھا، بلکہ ایک جدید طریقہ تھا، یہ سب بہت بعد کے حضرت مجدد کے غالی مریدین و معتقدین نے کیا ہے۔"

عصرِ حاضر میں مولانا صفی احمد رضوی بہاری، سابق استاذ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف، مشیر ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، مقیم حال برنگھم انگلینڈ نے ایک جدید کتاب مرتب کی ہے، قرآن، توحید اور علمِ کلام۔ اس کتاب میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر غیر حاصل گفتگو کی ہے، یہ بحث پڑھنے کے بعد کچھ ایسا مستفاد ہوتا ہے کہ غالباً مرتب کتاب خود اس بحث کو بالکل نہیں سمجھے ہیں۔ ایک خشک مولوی علمِ تصوف و طریقت سے ناآشنا، ان ابحاث کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ خلاصۂ کتاب یہ ہے کہ دینِ الٰہی کچھ نہیں تھا، اس تعلق سے مجدد الف ثانی کے کارنامے صرف افسانہ ہیں۔ اکبر بادشاہ ملحد، یا بے دین یا کافر نہیں تھا۔ صحیح العقیدہ تھا، باایمان دنیا سے گیا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق بات کہنے، لکھنے، سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆☆☆

آئینۂ عالم

عالمِ اسلام میں جدید خوارج کی شرانگیزیاں

غلام رسول دہلوی

جدید خوارج کی وہابی سلفی تنظیم "داعش" کے خودساختہ خلیفہ ابوبکر البغدادی کی کسی بھی قسم کی حمایت اور پشت پناہی خلاف شرع اور قابل مذمت ہے: ممتاز علماء اہل سنت و دانشوران ملت کا راقم السطور کے ساتھ ایک علمی مذاکرہ۔

گزشتہ دنوں دارالعلوم ندوۃ العلما کے سینئر استاذو ترجمان اور سابق مہتمم ادارہ مولانا ابوالحسن علی ندوی میاں کے نواسہ مولانا سلمان ندوی کے اس خط نے عالمی میڈیا میں ہیجان برپا کر دیا جس میں انہوں نے جدید خوارج کی دہشت گرد تنظیم داعش (ISIS) کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اور اس کے خود ساختہ خلیفہ ابو بکر البغدادی کو "امیر المومنین" کا خطاب دیتے ہوئے اسے مبارک باد پیش کی۔ واٹس ایپ (WhatsApp) کے ذریعہ بغدادی کو ارسال کیے گئے اس خط (مطبوعہ: روزنامہ "آگ"، لکھنو، ۱۷ جولائی، ۲۰۱۴) نے بہت سے غیر مسلم طبقوں میں ہندوستانی مدارس اور مسلمانوں کے تئیں بے جا تشویش پیدا کر دی ہے اور خود ذی شعور مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آج کے یہ نام نہاد مسلم دانشوران ہندوستانی مسلم کمیونٹی کو کس سمت میں لے جا رہے ہیں۔ مولانا سلمان ندوی کے خط نے قومی میڈیا میں یہ غلط تاثر دیا کہ داعش اور دیگر عسکریت پسند تنظیموں کے تئیں ہندوستان کے دیگر اہل مدارس کا نقطۂ نظر وہی ہے جو ان کا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب ان کے اس بیان کی چوطرفہ مذمت شروع ہوئی اور حکومتی و صحافتی حلقوں کی طرف سے سخت لہجہ میں استفسارات ہوئے تو موصوف صفائی پیش کرتے ہوئے اردو اخبارات میں اپنے متضاد بیانات درج کرانے لگے۔ المیہ یہ ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلما نے تادم تحریر مولانا سلمان ندوی کے اس متنازع، مدارس مخالف اور مسلم بدنامی پر مبنی اس بیان سے اپنی براءت کا اظہار نہیں کیا ہے اور نہ ہی مولانا ندوی کے اعتقادی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی کسی بھی تنظیم یا علما کی جماعت کی جانب سے اس خط کی کوئی مذمت سامنے آئی ہے۔

تاہم ہندوستان کے امن پسند علمائے اہل سنت، مشائخ عظام، اصحاب مدارس و خانقاہ اور معتبر مسلم اسکالرس نے نہ صرف یہ کہ کسی بھی دہشت گرد تنظیم یا کسی بھی شدت پسندانہ نظریہ کی کسی بھی صورت میں کوئی حمایت نہیں کی، بلکہ انہوں نے واضح طور پر دہشت و منافرت تکفیری تشدد، انتہا پسندی اور عدم رواداری کے ان تمام نظریات و حرکات کی کھلے لفظوں میں مذمت کی ہے جن میں آج کی وہابی دہشت گرد تنظیمیں اسلام کے نام پر ملوث ہیں۔ ان عمائدین ملت نے داعش اور اس جیسی دیگر عسکریت پسند تنظیموں کے تئیں کبھی کوئی نرم رویہ نہیں اپنایا، اور اس وقت ابو بکر البغدادی کی خود ساختہ خلافت اور اسے حاصل ہونے والی ہر قسم کی فکری و مادی حمایت کی دوٹوک مذمت کی ہے۔

اس سلسلے میں راقم السطور نے خاصی تعداد میں ایسے علمائے اہل سنت اور سنی و صوفی فکر کے حامل دانش وروں سے ملاقاتیں کیں اور رابطے کیے جو مختلف حیثیتوں سے ملکی و بین الاقوامی سطح پر سنی مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ داعش (ISIS) کی غیر اسلامی خلافت اور ان جیسی دیگر انتہا پسند جہادی تنظیموں کے متشدد نظریات کے خلاف علمائے اہل سنت کے دوٹوک اور بے باکانہ بیانات کو پڑھ کر ایک ادنیٰ شعور رکھنے والا شخص بھی یقینی طور پر یہ کہے گا کہ اس قضیہ میں تمام ہندوستانی علما یا مدارس دینیہ کو ایک ہی زمرہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ آج بھی ہندوستان میں ایسے سنی و صوفی علما اور مدارس کی غالب اکثریت موجود ہے جو امن عالم، سماجی ہم آہنگی اور ملکی سالمیت کے زبردست حامی ہیں اور جنھوں نے دہشت گردی، انتہا پسندی، فکری بے اعتدالی، جدید خوارج کے فکری انحرافات اور اس قسم کے ان تمام متشددانہ افکار و نظریات کی شدومد سے مخالفت کی ہے جن کی حمایت آج متعدّد وہابی علما و مفکرین کر رہے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ مؤخر الذکر طبقہ کو زبردست مادی ذرائع اور سعودی "پیٹروڈالر" کی وجہ سے حالیہ دہائیوں میں مین اسٹریم سے جڑے امن پسند مسلمانوں کو اپنی آئیڈیالوجی کے دام فریب کا شکار بنانے میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ ندوۃ العلما ایک وہابی ادارہ ہے جسے سعودی عرب کی زبردست مالی و نظریاتی حمایت حاصل ہے اور جسے غیر ملکی

وہابی تنظیمیں بڑے پیمانے پر فنڈ فراہم کرتی رہی ہیں۔ اس لیے ماضی وحال کے تقریباً تمام سرکردہ علمائے اہل سنت فکری طور پر ندوۃ العلما کی تحریک سے بیزار رہے ہیں۔ ہندوستان کی عبقری علمی شخصیت اورمشہور ومعروف سنی صوفی عالم دین امام احمد رضا قادری بریلوی غالباً سب سے اولین اور سب سے زیادہ قابل ذکر سنی رہنما تھے جنہوں نے تحریک ندوہ سے نہ صرف یہ کہ خود کو علاحدہ کیا بلکہ سختی کے ساتھ اس کی مذمت بھی کی اور اس کے علم برداروں کے وہابی نظریات کی علمی تردید بھی کی۔ لہٰذا بین الاقوامی میڈیا میں مولانا سلمان ندوی کے بیان اور اس پر دارالعلوم ندوہ کی مجرمانہ خاموشی کو ایک عام اصطلاح ''ہندوستانی علما ومدارس'' سے جوڑ جانا انتہائی افسوس ناک اور حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ فکری انتہا پسندی اور مذہبی تشدد کے موجودہ عفریت سے مقابلہ کرنے اور اس کی بیخ کنی کرنے میں اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ رویہ سے کوئی مدد حاصل نہیں ہونے والی ہے۔

بر صغیر ہندوپاک کے علمائے اہل سنت اور اصحاب تصوف و روحانیت نے شروع سے ہی واضح طور پر داعش (ISIS) اور دیگر متشدد اور عسکریت پسند جہادی تنظیموں کی کھل کر مذمت فرمائی ہے۔ ابوبکر البغدادی کی خودساختہ غیر اسلامی خلافت اور اس کی تائید میں مولانا سلمان ندوی کے حالیہ خط سے متعلق ممتاز علمائے اہل سنت کے مندرجہ ذیل خیالات اور بے باکانہ ردعمل ملاحظہ فرمائیں۔

مشہور اسلامی مفکر اور سنی عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اس موضوع پر راقم السطور سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ: "داعش کا خلیفہ ابوبکر البغدادی ایک خود ساختہ خلیفہ ہے جسے اسلامی خلیفہ کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت اسلامی میں اس کی خود ساختہ خلافت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔" انہوں نے مزید کہا کہ: "عالم اسلام میں اس طرح کی تمام تر غیر اسلامی تحریکات کے پس پردہ وہابی لابی کارفرما ہے۔ ان سب کا واحد مقصد دنیا کے تمام حصوں میں اپنی حکومت قائم کرنا ہے۔''

مولانا مصباحی نے واضح کیا کہ "ان کی شناخت آسانی کے ساتھ ایک چیز سے جا سکتی ہے جو ان کے درمیان ایک قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی غلبہ پاتے ہیں تاریخی اسلامی مقامات اور مزارات اولیا کو مسمار کر دیتے ہیں"۔ انہوں نے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور کشمیر میں چرار شریف کے مزارات کے واقعات کا حوالہ بطور مثال پیش کیا جنہیں وہابی انتہا پسندوں نے مسمار کر دیا ہے۔

خلافت اسلامی کے مسئلہ پر فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان قادری برکاتی کی تحقیقی کتاب ''دوام العیش فی ائمۃ القریش'' اور فتاویٰ رضویہ (حصہ ۱۴) کے خصوصی حوالہ سے بات کرتے ہوئے مولانا یاسین اختر مصباحی نے اسلامی خلافت کے شرائط کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور کہا کہ علما اور فقہا نے سات شرائط بیان فرمائے ہیں جن کے بغیر کوئی اسلامی خلیفہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ "ابوبکر بغدادی اسلامی خلیفہ کے طور پر مقرر ہونے کے لیے ضروری شرعی اہلیت نہیں رکھتا"۔

مولانا مصباحی نے البغدادی کی خودساختہ خلافت کی حمایت میں مولانا ندوی کے خط پر اپنی گہری تشویش کا اظہار اور کہا کہ وہ اس حد تک کس طرح جا سکتے ہیں جبکہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں نے اس کی خود ساختہ خلافت کے اعلان کو مسترد کر دیا ہے۔ مولانا یاسین اختر مصباحی نے اپنی بات یہ کہتے ہوئے ختم کی کہ اسلام امن عالم کا مذہب ہے اور داعش (ISIS/ISIL) یا دیگر انتہا پسند تنظیمیں جدید خارجی وہابی تحریکیں ہیں۔

شیخ ابوبکر احمد، بانی ورئیس مرکز الثقافۃ السنیۃ، کیرالا وجنرل سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما نے انتہا پسند تنظیموں کی حمایت کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے باقاعدہ ایک فتویٰ جاری کیا۔ راقم السطور کو مذکورہ فتویٰ کے اردو متن کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا موقع میسر آیا جو ۳۰؍ اگست ۲۰۱۴ بروز سنیچر کو ''دی ہندو، ہندوستان ٹائمز، دی ایشین ایج'' اور ''ٹائمز آف انڈیا'' جیسے متعدّد مشہور ومعتبر قومی وبین الاقوامی انگریزی اخبارات کی زینت بنا۔

اس سلسلے میں اپنے افکار کا اظہار کرتے ہوئے شیخ ابوبکر نے کہا کہ:
''عراق اور شام میں جاری عسکریت پسندوں کی دہشت گردانہ حرکتیں ناجائز وحرام ہیں۔ داعش جیسی نام نہاد اسلامی تنظیموں کا مذہب اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ دہشت گرد اسلام کی آڑ میں اسلام کی شبیہ کو مسخ کرتے ہیں عالم اسلام کو چاہیے کہ ISIS یا اس جیسی تنظیموں کے خلاف متحد ہو کر ان کا بائیکاٹ کرے اور ان سے بیزاری کا اعلان کرے۔''

شیخ صاحب نے خبردار کیا کہ ''اسلام مخالف سازشوں سے عالم اسلام کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہمیں ان کے ناپاک عزائم کے خلاف متحد ہو کر ان کا سدباب کرنا چاہیے۔ عسکریت پسند گروپ اسلام کی آڑ میں اسلام مخالف کام کر رہا ہے اور انتہا پسند دہشت گرد تنظیموں کی حمایت خلاف شرع ہے۔''

شیخ ابوبکر احمد نے کہا کہ عسکریت پسند گروپوں کی وجہ سے پوری دنیا میں دہشت کا ماحول گرم ہے۔ شیخ نے کہا کہ ''اسلام کے پیروکار کبھی بھی انسانیت کا خون نہیں کرتے۔ آج عراق اور شام میں جو حالت بنی ہوئی ہے وہ صرف حصول اقتدار اور یہودی ایجنٹوں کے ایما پر ہو رہا ہے۔''
شیخ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں عالمی رہنماؤں اور حکمرانوں سے اپیل

بھی کی ہے کہ وہ ISIS کے اسلام مخالف حرکتوں سے عوام وخواص کو آگاہ کریں۔ضرورت اس بات کی ہے عالمی امن کے قیام کو ترجیح دی جائے۔یہی اسلام کا پیغام ہے۔

محقق ونقاد مولانا خوشتر نورانی، مدیر ماہنامہ جام نور، دہلی نے راقم السطور کو انگریزی میڈیا کے لیے دیے گئے اپنے ایک انٹریو میں کہا کہ: "مولانا سلمان ندوی کوئی مستند اسلامی شخصیت نہیں ہیں۔ داعش (ISIS) کی خلافت کی حمایت میں لکھے گئے ان کے خط کو یکسر مسترد کر دیا جانا چاہیے۔اس لیے کہ یہ ان کا انفرادی نقطۂ نظر ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان کی جیسی ذہنیت کے حامل چند لوگوں کا بھی یہی نظریہ ہو،لیکن مرکزی دھارے میں شامل ۲۵ رکروڑ امن پسند سنی مسلمانوں کی یہ رائے ہرگز نہیں ہوسکتی۔"

مولانا خوشتر نورانی نے یہ بھی کہا کہ "نہ تو مولانا ندوی اور نہ ہی ان کا مذہبی ادارہ ندوۃ العلما ہندوستان کے مرکزی دھارے میں شامل ان مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو پرامن بقائے باہمی، قومی یکجہتی، تکثیریت پسندی، اور مذہبی رواداری اور ہم آہنگی کے اقدار پر یقین رکھتے ہیں۔" انہوں نے اسلامی خلافت کے نام پر دہشت گردانہ سرگرمیوں پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ مسلم کمیونٹی میں تقریباً تمام تر انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور تعصب کی جڑیں عالمی سطح پر وہابی نظریات کے ساتھ مربوط ہیں جن کا صوفی سنی اسلامی روایت سے کوئی ربط نہیں ہے۔

مولانا نورانی نے مزید واضح کیا کہ ہو سکتا ہے کہ مولانا ندوی جیسے لوگ داعش (ISIS) اور دیگر دہشت گرد تنظیموں کی حمایت زبانی طور پر کریں لیکن جب تک وہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ہیں ان کے خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتے۔ان کا ماننا ہے کہ غیر مسلم سماج سے تعلق رکھنے والے ہندوستانی شہریوں کی اکثریت اب بھی مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتی ہے۔

مولانا نورانی نے زور دے کر کہا کہ اسلام جمہوری اقدار کی وکالت کرتا ہے جنہیں جمہوریت اور سیکولرازم کے موجودہ دور میں قبول کیا جانا چاہیے۔انہوں نے کہا کہ اس دور جدید میں خلافت قائم کرنے کی کوئی بھی بات حماقت کی انتہا ہے۔جدید دور میں کسی بھی قسم کی خلافت کی بالکل ہی کوئی ضرورت نہیں ہے، حتیٰ کہ اسلامی حکومتوں کی بنیاد بھی آج جمہوریت کے منصفانہ اقدار پر ہونی چاہیے۔

مولانا نورانی نے تاریخی حوالہ پیش کیا کہ ابتدائی اسلامی ادوار میں بھی حقیقی اسلامی خلافتیں جمہوریت، تکثیریت اور عدل وانصاف کے اصولوں پر مبنی ہوتی تھیں۔لہٰذا آج مسلم ممالک میں جمہوریت کی جگہ خلافت کی وکالت کرنے والے کسی بھی شخص کی باتوں کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جانا چاہیے۔

مولانا نے ISIS / ISIL یا داعش کی شدت پسندانہ سرگرمیوں کی زبردست تنقید کی اور انہیں غیر اسلامی قرار دیا۔انہوں نے ISIS کو ایک سیاسی گروپ قرار دیا جو اسلام کا نام استعمال کر رہا ہے اور اپنے سیاسی مفادات کے لیے سنی اور شیعہ کے درمیان دراڑیں پیدا کر رہا ہے۔

رضا اکیڈمی ممبئی کے جنرل سکریٹری اور متحرک سنی کارکن الحاج سعید نوری نے داعش (ISIS / ISIL) کو خارجی اور تکفیری تحریک قرار دیا جو معصوم لوگوں کا قتل کر رہی ہے۔انہوں نے کہا کہ اسلام معصوم لوگوں کے قتل کو حرام قرار دیتا ہے اور خود ان کی جانب سے کئی سو بم دھماکوں کی ذمہ داری کا قبول کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بازاروں اور دیگر عوامی مقامات پر معصوم لوگوں کو قتل کرنے میں ملوث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سنی شیعہ کی لڑائی نہیں بلکہ تیل سے مالا مال علاقوں پر حکومت قائم کرنے کے لیے صرف ایک سیاسی تحریک ہے۔

مولانا ابوالعرفان فرنگی محلی نے خطرناک اور انتہا پسند خود ساختہ خلیفہ ابو بکر بغدادی کی سخت مخالفت کی ہے جیسا کہ ان کا یہ دوٹوک بیان میڈیا میں شائع کیا گیا تھا کہ: "ایک ایسا شخص کیوں کر مسلمانوں کا خلیفہ ہوسکتا ہے جو بے گناہ مسلمانوں، عورتوں اور بچوں کا قاتل ہے؟"

آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ (AIUMB) کے جنرل سکریٹری سید بابر اشرف نے راقم السطور سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ: "جو نظریہ نفرت، عدم رواداری اور انتہا پسندی کو عام کرے قطعی طور پر اس کی سخت مذمت کی جانی چاہیے۔مولانا سلمان ندوی کے خط نے واضح طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان میں "پیٹروڈالر" سے چلنے والی ایسی وہابی تنظیمیں بھی ہیں جو سعودی عرب کی ایما پر برطانیہ کے سرکاری نظریہ، وہابیت کی تشہیر کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔مولانا ندوی کے خط کو قریب الوقوع خطرے کا الارم سمجھا جانا چاہیے۔حکومت ہند کو تمام وہابی تنظیموں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی چاہیے"۔

سید بابر اشرف نے واضح کیا کہ داعش (ISIS) کے حامیان مختلف ناموں کے ساتھ مختلف تنظیموں کے توسط سے پورے ہندوستان میں سرگرم عمل ہیں اور وہ پہلے ہی قطر اور دیگر مسلم ممالک میں سعودی/قطری/ وہابی/سلفی تحریکوں کے حق میں اجلاس اور مظاہرے کر کے وہابی/سلفی نظریات سے اپنا اتحاد ظاہر کر چکے ہیں۔انہوں نے کہا کہ: "ملک میں تقریباً تمام وہابی تحریکوں کا اصلی مقصد جمہوری نظام کو کمزور کرنا اور ہندوستان کے تکثیریت پسند اقدار کو سبوتاژ کرنا ہے۔لیکن افسوس کی بات ہے کہ حکومت

ان کی حکمت عملی اور ان کے پرشکوہ مدارس، بلند عمارتوں، بڑے پیمانے پر منعقد ہونے والے کانفرنسوں اور غیر ملکی وہابی ذرائع سے فنڈ حاصل کرنے والے مدارس وجامعات سے متاثر ہے"۔

آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ (AIUMB) ہندوستان کے مرکزی دھارے میں شامل سنی صوفی مسلمانوں کا ایک عظیم ادارہ ہے۔ اس نے دارالحکومت دہلی سمیت مختلف ریاستوں میں مسلم مہاپنچایتوں اور سنی کانفرنسوں کا انعقاد کیا ہے۔ تمام اہم مواقع پر اس نے ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی تشخیص کرتے ہوئے اس کی تفصیلات حکومت کو میمورینڈم کی شکل میں ارسال کیا ہے۔

جناب سید بابر اشرف نے واضح کیا کہ: "مرکزی دھارے میں شامل سنی مسلمانوں کا اس بات پر یقین ہے کہ ISIS سعودی حکومت کے ایجنڈے کی حامل ایک دہشت گرد تنظیم ہے جس کا مقصد بے گناہ انسانوں کا قتل کرنا اور افراتفری اور انتشار پیدا کرکے سنی اور شیعہ دونوں مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے عظیم اسلام ثقافتی اور تاریخی ورثے کو تباہ کرنا ہے"۔

سید بابر اشرف نے مزید کہا کہ: "فساد مچانے والے ISIS کے زیر اہتمام آج جو عراق میں ہو رہا ہے وہی تیونس، لیبیا، مصر، شام، نائیجیریا اور مالی جیسے ترقی پسند مسلم ممالک اور ہمارے پڑوسی ممالک افغانستان اور پاکستان میں ہوا۔ بالکل اسی طرح عراق میں ISIS کے بینر تلے انتہا پسند وہابیوں/سلفیوں نے معصوم شہریوں کو اپنا نشانہ بنایا، ان کے ثقافتی ورثے تباہ کیے، مساجد مسمار کیں، مزارات انبیا و اولیا پر بمباری کی اور دیگر مقدس مقامات اور یادگاروں کو منہدم کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ISIS کے وحشی قاتلوں کی قیادت ایک معروف وہابی سلفی انتہا پسند ابو بکر البغدادی کر رہا ہے جسے دہشت گرد قرار دیا جانا چاہیے"۔

انہوں نے مزید کہا کہ: "بزرگان دین کے روحانی ورثے اور ثقافتی اثاثے وہابی دہشت گردوں کا اہم ہدف ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں وہاں تباہی کا رقص ہوتا ہے۔ خواہ وہ بامیان میں گوتم بدھ کی مورتی ہو یا شام میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار ہو، یا مالی میں قدیم کتابیں اور مسودات ہوں۔ یہاں تک کہ دیگر ممالک کے ممتاز صوفی علما بھی عراق میں ان کی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے ہیں۔" جناب سید بابر اشرف نے کہا کہ اس کی ایک حالیہ اور انتہائی دردناک مثال ابھرتے ہوئے سنی صوفی عالم دین علامہ اسید الحق قادری خانقاہ بدایوں (اترپردیش) کو عراق میں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا جانا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ: "یہ بات انتہائی پریشان کن ہے کہ ہندوستان نہ صرف سعودی عرب اور قطر سے تیل اور گیس کی درآمد کر رہا ہے بلکہ اسی کے ساتھ ہمارا ملک وہاں سے انتہائی شر انگیز سعودی/قطری/وہابی/سلفی نظریہ بھی درآمد کر رہا ہے جو کہ مکمل طور پر ہمارے اقدار کے خلاف ہے اور یہ داخلی سلامتی اور قومی مفادات کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔"

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ کس طرح وہابی اپنے نظریات کو امن پسند ہندوستانی سماج میں داخل کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں، سید بابر اشرف نے کہا کہ وہابی تنظیموں، مدارس، علما اور ان کے سیاسی نمائندوں نے سماجی و مذہبی اصلاحات کے نام پر اپنی مہم شروع کی اور جب انہوں نے معاشرے میں اپنا کچھ مقام پیدا کر لیا تو اس کے بعد انہوں نے اقتدار پر قبضہ کرنے اور حکومت کے اپنے چھپے ہوئی سیاسی ایجنڈے کو اجاگر کیا۔

وہابی کتب میں پائی جانے والی بنیاد پرستی کی گہری جڑوں کو بے نقاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ: "نوجوان مسلم طلبہ کے ذہنوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے مدارس میں ایک جامع نصاب شامل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اس لیے کہ وہابی/سلفی مولویوں نے طالب علموں کے لئے لکھی گئی کتابوں کے ذریعے ایک انتہا پسندانہ نظریہ پیش کیا ہے جس نے ان نادان بچوں کے ذہن و دماغ پر ایک ایسا خطرناک اثر چھوڑا ہے جو کہ اسلام اور انسانی اخلاقیات سے متصادم ہے۔"

یہاں راقم السطور یہ اضافہ کرنا چاہے گا کہ صرف مدارس کے نصاب کا ہی نہیں بلکہ سیکولر یونیورسٹیوں میں داخل شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے نصاب کا بھی ایمان دارانہ جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہابی فکر سے متاثر علما اور مسلم اسکالرز نے ہی ہمارے ملک کے مختلف تعلیمی بورڈز اور یونیورسٹیوں کا اسلامی نصاب تعلیم تیار کیا ہے اور اس میں انہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر تصوف مخالف وہابی ایجنڈے کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جدید تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور عصری تعلیم کی آماج گاہوں میں بھی ان انتہا پسندانہ نظریات کی تشہیر ہو رہی ہے جو اسلام کی پر امن تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے اور جو مسلمانوں کی نئی نسل کے حساس اذہان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اب وقت کا جبری تقاضا ہے کہ ہندوستانی حکومت قیام امن اور ملک کی سالمیت کو یقینی بنانے کے لیے اسکولوں، کالجز اور یونیورسٹیوں میں بھی ہندوستانی صوفیائے کرام کی پر امن تعلیمات وارشادات کو شامل نصاب کرے اور ان کی بخوبی تدریس کے لیے سنی صوفی علما وفضلا کی تقرری کو بھی یقینی بنائے تاکہ مسلم نونہالوں کو حقیقی اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جا سکے۔ ☆☆☆

فکر و نظر

بچہ مزدوری، اسباب و تدارک

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

نومبر ۲۰۱۴ء کا عنوان — منشیات کی روک تھام- تجاویز اور اقدامات

دسمبر ۲۰۱۴ء کا عنوان — لو جہاد: حقیقت کیا ہے؟

بچہ مزدوری، تاریخ، اسباب اور تدارک

از: عمرانہ طیبہ (جرنلسٹ، دہلی) imranaarticle@gmail.com

ہنستے مسکراتے بچے کسے پسند نہیں ہیں، کون ہوگا جو شریر بچوں کو اچھا نہیں کہے گا؟ اس لیے کہ بچوں کی ننھی ننھی شرارتیں تو ان کے بچپن کی بے فکری کا ثبوت ہوتی ہیں اور بچے بے فکری سے کھلکھلاتے مسکراتے ہی پیارے اور اچھے لگتے ہیں۔ انسان کی زندگی کے پورے دور میں بچپن کا زمانہ سب سے اچھا ہوتا ہے۔ چار پانچ سال کی عمر تک بچہ اپنے ماحول کو پہچاننے لگتا ہے اور قریبی رشتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی بات کسی حد تک سمجھ سکتا ہے اور اپنی بات دوسروں تک آسانی سے پہنچا سکتا ہے۔ اب اسے بھاگنا دوڑنا کھیلنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اسکول میں داخلے کے بعد نیا ماحول، نئے دوست کھیلنے اور سیکھنے کی نئی چیزیں اور نئے انداز سے سامنا ہوتا ہے۔ یہ سب اسے تعلیم کے روشن راستے کا مسافر بنا دیتے ہیں جس پر چل کر اس کے ذہن کی نشو نما ہوتی ہے اور وہ سماج کا مفید، کارآمد اور خدمت گزار فرد بن کر دنیا اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے دنیا کے ہر بچہ کو یہ مثالی زندگی میسر نہیں ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۵ سے ۱۷ سال تک کی عمر کے ۲۱ کروڑ ۹۰ لاکھ بچے کھیل کود، تفریح، آرام اور تعلیم سے لطف اندوز ہونے کی بجاے سخت حالات میں محنت اور مشقت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ بچہ مزدوری کا مطلب ان سے ایسا کام لینا ہے جو ان کی جسمانی، ذہنی، جذباتی، سماجی اور روحانی نشو نما کو محدود کر دے یا نقصان پہنچائے اور بچوں کو اس حق سے محروم کر دے کہ وہ اپنے بچپن سے لطف اندوز ہوں، کھیلیں یا تعلیم حاصل کریں۔ بچوں کا کام کا مطلب بچوں کی ایسی عام سرگرمیاں ہیں جو ان کی صحت مند نشو نما میں مدد دیتی ہیں یا انہیں مستقبل کی سماجی ذمے داریوں کے لیے تیار کرتی ہیں۔ بچوں سے محنت مشقت کرانے کا سلسلہ تاریخ کے تمام ادوار میں ملتا ہے۔

مغربی دنیا میں صنعتی دور کے آغاز میں عورتوں اور بچوں سے سخت مشکل حالات میں کام لینے کا سلسلہ ان کے استحصال کی نئی شکل میں موجود تھا۔ اس دور میں چار سال کی عمر تک کے بچوں سے خطرناک کام لیے جاتے تھے۔ ۱۷ویں صدی سے ۱۹ویں صدی تک کے عرصے میں غریب بچوں کو ورک ہاؤسز یعنی کارخانوں میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں وہ غلاموں کی طرح کام کیا کرتے تھے۔ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ زراعت اور صنعت کے کئی شعبوں میں بچوں کی مشقت کا سلسلہ ۱۷۸۰ سے پہلے بھی جاری تھا۔ خاص طور پر کوئلے کی کانوں میں بچوں سے بدترین حالات اور طویل اوقات میں سخت کام لیا جاتا

تھا۔صنعتی دور سے پہلے غریب بچے علاقے کے گرجے کے حوالے کردیے جاتے تھے جہاں ان سے گھروں میں بیگار لی جاتی یا کھیتوں میں کمر توڑ کام کرنے کے لیے زمینداروں کو کرایے پر دے دیا جاتا تھا۔ اکثر بچوں سے بھیک منگوائی جاتی۔ وہ چور بن جاتے اور لڑکیاں جسم فروشی پر مجبور ہوجاتیں۔صنعتی انقلاب کے دوران فیکٹریوں میں بچوں کی مشقت ایک عام بات تھی۔ ۱۷۸۰اور ۱۸۴۰کے عرصے میں بچوں کی مشقت کا سلسلہ عروج پر تھا۔

ہندوستان میں بھی بچوں کی مشقت کا سلسلہ اپنی پوری خوفناکی کے ساتھ موجود ہے۔ معیشت کے کم وبیش ہر شعبے میں کم سن بچے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق بچوں کو کام پر مجبور کرنے والے اسباب میں محنت کش بچوں کی خاصی تعداد اپنے والدین کا قرض اتارنے کی کوشش میں گروی مزدوری کرتی ہے۔ محنت کش بچوں کا تعلق ایسے کنبوں سے ہوتا ہے جہاں بچے زیادہ ہوتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے۔ بچے کھیتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، گلی محلوں کے ورکشاپ، دکانوں، چائے خانوں، مسافر اور مال بردار گاڑیوں، ریلوے اسٹیشن، اینٹوں کے بھٹوں، کوئلے کی کانوں، قالین بانی کی صنعتی، چمڑا سازی کی صنعت، کانچ کی چوڑیوں کی صنعت، جراحی کے آلات، ماہی گیری سمیت معاشی سرگرمی کے مختلف شعبوں میں یہ کم سن محنت کش بچے دن رات کے مختلف حصوں میں ایسے حالات میں کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر تکلیف اور شرمندگی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گھروں میں اور سڑکوں پر کام کرنے والے بچے، گداگر اور کچرا چننے والے بچے بھی شامل ہیں۔

۱۷۸۸برطانیہ میں سب سے پہلے لارڈ شیفٹس بری نے بچوں کی مزدوری کے خلاف آواز اٹھائی جس کے نتیجے میں متعدّد فیکٹری ایکٹ منظور کیے گئے اور ترقی یافتہ دنیا میں بچوں کی مشقت میں کمی کا سلسلہ شروع ہوا اور فیکٹری ایکٹ منظور کرایا گیا جس میں بچوں کے کام کے اوقات محدود اور حفاظتی اقدامات لازمی قرار دیے گئے۔ایک رپورٹ کے مطابق یورپ اور امریکہ کے ترقی یافتہ ملکوں میں بچوں کی مشقت کا مسئلہ بڑی حد تک کم ہوگیا ہے۔لیکن افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ملکوں میں یہ سلسلہ اب بھی موجود ہے۔ جنوبی ایشیا کے ممالک، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی صورت حال مختلف نہیں ہے۔ ان ملکوں میں بچوں کی مزدوری کی ممانعت کے قانون کے باوجود کروڑوں بچے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک میں تقریباً ایک کروڑ ۳۰لاکھ بچے گھروں میں یا سڑک کے کنارے ہوٹلوں میں کام کرتے ہیں۔ اسپارک، یونیسیف، اگینسٹ چائلڈ لیبر کی ایک رپورٹ میں محنت کش بچوں کی تعداد ایک کروڑ ۵۰لاکھ بتائی گئی ہے۔

بچوں کی مزدوری وہ لعنت ہے جس کا خاتمہ ہونا ضروری ہے۔ بچوں کے معصوم وجود کو محنت اور مشقت میں مبتلا کرکے ان سے ان کا بچپن چھین لینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ بچپن کھیلنے کودنے اور پڑھنے لکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ بچپن میں ہر لڑکے اور لڑکی کو وہ ماحول ملنا چاہیے جس میں اِن کی ذہنی نشونما ہو جو آئندہ زندگی کی راہوں پر چلنے اور عملی میدان میں آگے بڑھنے میں مدد دے۔ بچے خواہ امیر گھرانے کے ہوں یا غریب گھرانے کے ان کے بنیادی حقوق یکساں ہیں۔ ان کے حقوق، انسانیت کے حقوق ہیں۔ بچپن میں اِن کے حقوق کی حفاظت والدین، معاشرہ اور حکومت تینوں کی ذمہ داری ہے۔ آج کے بچے کل کے افراد ہیں۔ ان بچوں کو معاشرے کا کارآمد فرد بنانے کے لیے ان کی جسمانی اور ذہنی نشوونما ایسی ہونی چاہیے کہ وہ متوازن انسان بن سکیں۔ اس وقت جب انہیں کھیل کود، تعلیم اور سب سے بڑھ کر پیار محبت کی ضرورت ہے۔ انہیں مشقت کی جانب دھکیل دینا نہ صرف اِن کے ساتھ ظلم ہے بلکہ پورے معاشرتی ماحول کو آلودہ کرنے کے مترادف ہے۔ عالمی ادارہ محنت (ILO) نے متعدّد کنونشن بنائے ہیں ان میں سے ہندسوستان نے بھی کئی کنونشنوں کی توثیق کی ہے جس کا مقصد بچہ مزدوری کے خاتمہ کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنا تھا جس کے تحت ان دنوں اخبارات میں بچپن بچاؤ جیسی غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ چلائی جارہی مہموں کے بھرمار ہے۔

وقتی طور پر کار خانوں اور دکانوں میں جاکر پولس کی مدد کے ساتھ بچہ مزدوری میں ملوث نونہالوں کو نجات دلانے کی نام نہاد کارروائیاں کی جاتی رہی ہیں جس سے نہ صرف علاقوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے بلکہ ٹکراؤ کی صورت حال بھی پیدا ہوتی ہے۔

باریکی سے جائزہ لیا جائے جائے تو بدعنوان پولس اہل کاروں اور موقع پرست سماجی کارکنان کی چاندی ہوجاتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے بیشتر حصوں میں بچوں سے مزدوری رواج پا چکی ہے۔ یہاں تک کہ ملک کے بڑے سے بڑے شہروں جیسے دہلی، ممبئی وغیرہ میں بھی بچہ مزدوری دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب کہ ہندوستان آئین کے تحت ۱۴سال سے کم عمر بچوں سے مزدوری کروانا غلط ہے۔ ان بچوں کی عمر ابھی پڑھنے لکھنے کی ہے۔ جب کہ ان سے

مزدوری کرواکے انہیں بنیادی حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے جن میں حصول تعلیم بھی شامل ہے۔۱۴سال سے کم عمر بچہ کم سنی کے سبب اپنے بھلے برے کو اتنے بہتر طور پر نہیں سمجھ سکتا۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ غریبی اور بے روز گاری سے تنگ آکر اپنے معصوم بچوں پر فکر معاش مسلط کردیتے ہیں جس کے سبب کئی مرتبہ تو نہایت کم عمر لڑکیاں اور لڑکے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے یا کوڑا بینتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حساس طبیعت کا مالک شخص ان بچوں کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر ضرور رحم و کرم کی نظر ڈالے گا۔ سماج کے سبھی لوگ ایک دوسری پر کسی نہ کسی طور سی منحصر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس انحصار کو ذرا احساس ہو کر سمجھیں تو یہ بچے ہماری ہمدردی کے مستحق ہیں۔ ہمیں ان کے مسائل کو سمجھ کر ان کو حل کرنے پر غور ہی نہیں چاہیے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ انسان سماجی جانور ہے۔

سماج کا ہر فرد سماج کا اٹوٹ حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک کے کام اس کی عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے متعیّن ہوتے ہیں لیکن اگر ہم اپنی عمر سے بڑھ کر کام کریں گے تو نہ تو نتیجہ اچھا ہو گا اور نہ ہی ہمارے وقت کا صحیح استعمال ہو سکے گا۔ اسی طرح سے بچہ مزدوری کو سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ کم سن بچے جن کی عمر ابھی پڑھنے لکھنے اور کھیلنے کودنے کی ہے انہیں غریب ماں باپ اپنی غربت و لاچاری کے سبب مجبور ہو کر کمائی کرنے کو کہتے ہیں۔ کچھ بچے احتجاجًا اپنی جان بھی بچاتے ہیں لیکن وقت کی ضرورت اور حالات کو دیکھتے ہوئے وہ ماں باپ کی مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بچہ مزدوری روکنے کے لیے ہمارے آئین میں بہت سی دفعات موجود ہیں لیکن ان کو سختی سے نافذ کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔ بیشتر مقامات پر بچہ مزدوری کی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں۔ یہ بچے مزدور کم اجرت اور زیادہ وقت تک کام کرنے کو آسانی سے راضی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بھی ان مزدوروں کو لوگ بہ آسانی کام پر لگا لیتے ہیں۔ استحصال کے سبب بچہ مزدوری مزید بڑھتی جا رہی ہے۔ بچہ مزدوری کو روکنا سماج کے مستقبل کے لیے ہی نہیں بلکہ ملک و قوم کے روشن مستقبل کے لیے بھی نہایت ضروری ہے۔ آج کے بچے کل کا مستقبل ہیں۔ ہمارے ملک کی خوشحالی انہیں ننھے منے بچوں پر منحصر ہے، جو کہ ماؤں کی گود میں کھیل کر اپنے سنہرے لڑکپن کی طرف قدم رکھتے ہیں اور ان کی پڑھائی ابھی ہائی اسکول لیول تک بھی نہیں پہنچ پاتی کہ وہ اپنے غریب ماں باپ کی چاروناچار معاش میں مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ خواہش سبھی ماں باپ کی ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بڑے ہو کر لائق بنے اور دنیا میں اپنا نام روشن کرے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ غریبی اور بے روزگاری ہی اس بچہ مزدوری کی خاص وجہ ہے۔ اگر ماں باپ معاشی طور پر مستحکم ہوں گے تو اپنی اولاد کو کم عمر میں تلاش معاش میں بھٹکنے نہیں دیں گے۔

بچوں کی مزدوری ختم کرنے کے سلسلہ میں ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ بچوں کی مشقت کی اصل وجہ غربت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب خاندان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے تو بچوں سے مشقت کرانے کا سلسلہ کم ہو جاتا ہے۔ تنخواہوں میں اضافہ ہوتا ہے تو والدین بچوں کو کام پر بھیجنے کی بجائے اسکول بھیجنے لگتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ نئی ٹیکنالوجی کی ترقی سے بچوں کی مشقت کم ہو سکتی ہے۔ جس طرح بعض اداروں میں نئی نئی مشینیں آنے سے وہاں کام کرنے والے بچوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔

یہ بات کم تعلیم یافتہ شخص بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر نو عمری میں ہی ان کے بچے پیسہ کمانے میں لگ جائیں گے تو اس طرح نہ تو وہ اچھا ذریعہ معاش حاصل کر سکیں گے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ مالی طور پر مستحکم والدین ہی بچوں کو اعلیٰ اور صحیح تعلیم دلانے کی اہمیت کو نہ صرف سمجھ سکتے ہیں بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ خود پروفیشنل کورسوں کی پہنچ سے دور رہے ہیں تو ایسے ماں باپ کس طرح اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کرا سکتے ہیں۔

آج کل کے اس دور جدید میں معاش کے حصول کے لیے تکنیکی کورسوں کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے لیکن یہ مہنگے تکنیکی کورس مڈل کلاس کی پہنچ سے باہر ہوتے ہیں۔ جب کہ سرکار نے اس طرف خصوصی توجہ بھی دی ہے اور ان کورسوں کو کرانے والے طلبہ کو کچھ مقررہ وظائف بھی دینے شروع کر دیے ہیں۔ جس سے ان کورسوں کو کرنا کافی آسان ہوتا جا رہا ہے لیکن بچہ مزدوری آسان لگنے کے بعد ان کورسوں سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں پر یہ کہنا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ اگر ان کورسوں پر غریب بچوں کو مزید رعایتیں دی جائیں تو بہتر نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ حکومت کو بچہ مزدوری کے خاتمے کے لیے بہت باریکی سے جائزہ لینا ہو گا اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر کرنی ہوگی، اگر یہ ہو جاتا ہے تو وہ

دن دور نہیں کہ جب بچہ مزدوری کے خلاف بنائے گئے قانون اور اس پر کی جانے والی کارروائیوں کو موثر ڈھنگ سے چلایا جاسکے گا۔ لیکن اس برائی کے خاتمہ کے لیے، بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

ہندستان کے تابناک اور روشن مستقبل کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے حکومت ہند کو چاہیے بچہ مزدوری کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے اور اس سے منسلک دوسری برائیوں کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

☆☆☆☆

بچہ مزدوری کا انسداد ہماری مشترکہ ذمہ داری

محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، sajid.misbahi@gmail.com

بچے کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، قوموں کا مستقبل انہیں سے وابستہ ہے، بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت اور عمدہ نگہ داشت ملک وملت کی تعمیر وترقی کا ضامن ہوا کرتی ہے، جس قوم کے بچے صحیح تعلیم وتربیت نہ پانے کی وجہ غلط راستوں پر چلنے لگتے ہیں ان کی تباہی یقینی ہو جاتی ہے، ایسی قوم صحت مند نوجوانوں اور صالح فکر رکھنے والی نسل سے محروم ہو جاتی ہے۔ بچوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ انہیں اپنا بچپن فطری طریقے پر گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے، انہیں اس عمر میں معاشی ذمے داریوں سے مکمل آزاد رکھ کر عمدہ تعلیم کے حصول کا موقع فراہم کیا جائے۔ والدین اور سرپرستوں کے ساتھ حکومت کی بھی یہ ذمے داری ہے کہ بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کے وسائل فراہم کیے جائیں، اور ان کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بچہ مزدوری کا بڑھتا ہوا رجحان ایک بڑا المیہ ہے، ایک طرف دنیا ترقی کے معراج پر ہے، دوسری طرف دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ معاشی حالات اور دیگر مسائل کی وجہ سے جبری مشقت پر مجبور ہے۔ آدم کی اولاد ایک طرف چاند پر فتح ونصرت کے جھنڈے لہرا رہی ہے تو دوسری طرف بنی نوع انسان کا ایک گروہ نان شبینہ کو ترس رہا ہے، آخر یہ کیسی ترقی ہے؟ بچہ مزدوری کے اعداد وشمار پر نظر ڈالنے پر بڑی حیرت ہوتی ہے، اور ترقی کے دعووں کا کھوکھلاپن ظاہر ہو جاتا ہے، ہم اس ملک یا قوم کو کیسے ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں جہاں لاکھوں بچے اپنے شکم کی آگ بجھانے کے لیے اپنے بچپن کی بہاروں کو قربان کرنے پر مجبور ہیں، جہاں لاکھوں انسان شدید محنت ومشقت کے باوجود دو وقت کی روٹی کو ترستے ہوں۔ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ بچہ مزدوری کا سیلاب دن بہ دن اپنی تباہیوں میں اضافہ ہی کرتا جا رہا ہے۔ بچوں کی یہ جبری مشقت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں بلکہ پوری دنیا میں یہ لعنت پھیل رہی ہے۔ بچوں کی عالمی تنظیم یونیسیف کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں ۷۵/لاکھ بچے بیگار کیمپوں میں کام کر رہے ہیں، دنیا میں ہر آٹھواں بچہ نامناسب انسانی ماحول اور خطرناک صورت حال میں کام کر رہا ہے، مزدور بچوں کی تعداد کے حوالے سے ایشا کا خطہ سب سے آگے ہے اور ۶۱/فیصد جبری مشقت کے شکار بچے ایشا میں ہیں۔ جب بچے گھنٹوں تک ہوٹلوں میں، کھیتوں کھلیانوں میں، فیکٹریوں میں، کارخانوں میں، بھٹوں، میں گھروں اور سڑکوں پر جسمانی مشقت کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں تعلیم حاصل کرنے کا احساس کم سے کم تر ہوتا جاتا ہے۔ بچہ مزدوری کے ذریعے ان کی نشو ونما، تعلیم وتربیت اور ان کا بچپن ومستقبل تباہ کر دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں ایک حکومتی سروے کے مطابق ۲/کروڑ بچے مزدوری کرتے ہیں، جب کہ سماجی تنظیموں کے مطابق بچہ مزدوری کی تعداد ۵/کروڑ ہے، آخر وطن عزیز میں بچے اتنی تعداد میں مزدوری اور محنت ومشقت پر کیوں مجبور ہیں؟ بچہ مزدوری کے خلاف بنائے گئے قوانین غیر موثر کیوں ہیں؟ اس سلسلے میں ہمیں کس طرح کے اقدامات کرنے چاہیے، ہم ذیل کی سطروں میں مختصر روشنی ڈالیں گے۔

بچہ مزدوری کے متعدّد اسباب و عوامل ہیں، مثلا معاشی بدحالی، بنیادی سہولیات سے محرومی، بے روز گاری، غربت، وسائل کی عدم فراہمی، تعلیم کی مہنگائی وغیرہ، غریب گھرانوں کے اہل خانہ کی اپنے بچوں سے کمانے کی امید وابستہ کرنا، تعلیم کو عام کرنے کا ناقص نظام، بلدیاتی سہولیات کا فقدان، معمولی پیسوں میں مزدوروں کی حصول یابی، بچوں کے تئیں غفلت اور کام دینے والے افراد کی سرد مہری وغیرہ، کچھ ایسی وجوہات ہیں جن سے بچہ مزدوری کی وبا پروان چڑھتی ہے۔ لیکن ان اسباب میں معاشی بدحالی بچہ مزدوری کی ایک اہم وجہ ہے، غربت وافلاس اور حد درجہ مہنگائی سے مجبور ہو کر والدین اپنے بچوں کو مختلف قسم کے

محنت و مشقت والے کام میں لگانے پر مجبور ہوتے ہیں۔
خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے کنبے کے پاس اس کے سوائے کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ وہ زندہ رہنے کے لیے اپنے بچوں کو کام کرنے کے لیے بھیجیں۔ ورنہ کون باپ نہیں چاہتا کہ اس کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، اس کا بچپن ناز و نعم میں گزرے، انہیں ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے فطری طور پر جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ آج پوری دنیا میں غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کڑوں باپ اپنے لخت جگر کو زہر آلود فیکٹریوں، ہو ٹلوں، بھٹوں اور دوسرے مقامات میں محنت و مشقت کے کاموں میں لگا نے پر مجبور ہیں۔ تعلیم اس قدر مہنگی ہو گئی ہے کہ ایک غریب باپ اپنے نور نظر کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا خواب چاہ کر بھی پورا نہیں کر سکتا، سرکاری تعلیمی اداروں کی بدحالی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، پرائیوٹ تعلیمی اداروں کی فیس ادا کرنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں، ایسے میں والدین اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم دلانے سے بھی قاصر رہتے ہیں، ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوتا کہ اپنے بچوں کو کسی کام میں لگا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کریں اور دو وقت کی روٹی کا انتظام کریں، تعلیم کا نا قص نظام بھی بچہ مزدوری کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔
ہمارے سماج میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کو تعلیم کی اہمیت کا علم نہیں اور نہ ہی وہ بچوں کے حقوق سے صحیح طور پر واقف ہیں، ایک طرح سے وہ معاشی حیوان ہوتے ہیں وہ کسی طرح اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے بچوں کو مختلف قسم کے محنت و مشقت والے کاموں میں لگا دیتے ہیں، ایسے طبقے میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی انہیں صحیح معلومات پہنچانے کی ضرورت ہے۔
ہمارے ملک میں بچہ مزدوری روکنے اور بچوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے قانون بھی ہے۔ ہندوستان میں ۱۹۸۶ء ہی میں بچہ مزدوری کے خلاف قانون بن چکا ہے۔ لیکن حکومت کی عدم توجہی اور حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے اس قانون کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون تو بنا دیا گیا لیکن بچہ مزدوری کے اسباب و علل پر غور کر کے ان کے تدارک کی کوشش نہیں کی گئی، ظاہر ہے ایسی صورت میں نتیجہ یہی ہونا تھا۔ عالمی سطح پر بھی بچہ مزدوری کو ایک جرم قرار دے کر اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم یونیسیف نے بھی اس سلسلے میں اپنا نظریہ تفصیل سے واضح کیا اور پوری دنیا کے انسانوں سے اس کے انسداد کے لیے تعاون کی اپیل کی لیکن پھر بھی حالات بچوں کے لیے نا موافق ہیں۔ جووینائل جسٹس ایکٹ (کیئر اینڈ پروٹیکشن اور چلڈرن ایکٹ ۲۰۰۸) اس کی سب سے عمدہ مثال ہے۔ اس قانون کو نافذ ہوئے دس سال ہونے کو ہیں، لیکن زیادہ تر ریاستی حکومتیں ابھی تک اس قانون کو اپنے یہاں پوری طرح سے نافذ نہیں کر سکی ہیں۔ اس قانون کو نافذ العمل بنانے کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا اسباب کے خاتمے کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔ روزگار کے مواقع فراہم کیے جانے کے لیے حکومت کو موثر اقدام کی ضرورت ہے، معاشی میدان میں آج صورت حال یہ ہے کہ غریب طبقے کی غربت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور سرمایہ دار طبقہ کے سرمایے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، غریبی اور امیری کا یہ عدم توازن انسانی سماج کو کھوکھلا کرتا جا رہا ہے، مساوات اور حقوق انسانی کی تحفظ کی بات کرنے والے کبھی اس زاویے سے کیوں نہیں سوچتے۔ غریب مزدوروں کے ساتھ غلاموں جیسا رویہ کیوں اختیار کیا جاتا ہے، مزدور خصوصاً بچہ مزدوروں کو معمولی پیسوں کے عوض خطرناک کاموں میں لگا کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ انسانیت سوز بر تاؤ کیا جاتا ہے۔ بچوں کے بچپن کی حفاظت اور ان کو ایک باوقار شہری بنانے کے لیے حکومت کو تعلیمی نظام کی اصلاح کرنی ہوگی۔ سرکاری تعلیمی اداروں کے نظم و نسق میں سدھار کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں نئے تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دینی ہوگی۔ اور اس سلسلے میں بیداری پیدا کرنے کے لیے تحریک چلا کر اس وبا کو مزید پھیلنے سے روکنا ہوگا۔
بچوں کے سلب شدہ حقوق کی بازیابی کی خاطر کئی سرکاری و غیر سرکاری رضاکار تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ لیکن بچہ مزدوری کے بڑھتے رجحان کو دیکھ کر ان تنظیموں کی کارکردگی پر بھی ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ سرکار کا "لیبر ڈیپارٹمنٹ"، قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے، سرکاری و غیر سرکاری فلاحی تنظیمیں اور عام لوگ ٹھان لیں تو اِس وبائی بیماری کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اِس وبا کے خلاف آواز اٹھائیں اور اپنے بچوں کی جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور اخلاقی نشوونما کے لیے قدم بڑھائیں۔ اِس سے قبل کہ ہمارا مستقبل ہمیں انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کرے، ہمیں عملی طور پر بچہ مزدوری کی وبا کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ اِس مقصد کی حصولیابی کے لیے ہماری انفرادی اور اجتماعی کوششیں درکار ہیں۔

بچہ مزدوری: بہت سارے مسائل اور جرائم کا پیش خیمہ

محمد عابد چشتی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف abid.chishti@rediffmail.com

موجودہ دور کے وہ پیچیدہ اور پریشان کن مسائل جو عالمی سطح پر غور وفکر اور بحث کا موضوع بنے ہوئے ہیں اور جن سے ہر ملک اور قوم کی مجموعی ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ پیدا ہورہی ہے ان میں بچہ مزدوری کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی، اچھی تعلیم کی عدم فراہمی یا حصول میں دشواری اور روزگار میں گھٹتے مواقع اس مسئلہ کی سنگینی میں مسلسل فکر کن اضافہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ عالمی تجزیہ کار اپنے ذہن وفکر اور دماغ کی ساری توانائیاں اس مسئلہ کے حل میں صرف کر رہے ہیں مگر نتائج اس کے بالکل برعکس برآمد ہو رہے ہیں اور ایک سیلاب کی طرح بچہ مزدوری کی وبا دن بدن عام ہوتی جارہی ہے۔ اول اول یہ صرف ان ممالک کا مسئلہ تھا جہاں کی اکثریت غربت و افلاس اور تنگ دستی کی شکار ہے مگر اب یہ مسئلہ ہر ملک کا مقدر بن چکا ہے۔ خواہ وہ ترقی پذیر ممالک ہوں یا ترقی یافتہ یا پھر غریب یا پسماندہ کی فہرست میں شمار ہونے والے ممالک۔

اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم آئی،ایل،او(انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن) کی ایک رپورٹ میں اس بات کی چونکا دینے والی وضاحت کی گئی ہے کہ دنیا بھر میں ۱۰ سے ۱۵ سال کی عمر کے تقریبا ۳۷ ملین بچے ہوٹلوں، بھٹوں، سڑکوں اور کارخانوں میں مزدوری کرنے پر مجبور ہیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں اور بچپن ہی میں بچوں کو مزدوری کی بھٹی میں جھونک دینے سے نہ صرف یہ کہ موجودہ نسل کی بڑی تعداد تعلیم وتربیت اور تہذیب سے ناآشنا ہو رہی ہے بلکہ دوسری طرف کارخانوں، بھٹوں اور دیگر خطرناک جگہوں پر کام کرنے کی وجہ سے ان بچوں میں جسمانی امراض کا خطرہ مزید بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے۔ بچپن کی بے فکری، لڑکپن مسکراہٹیں، اور معصوم ادائیں، بھٹے، زہریلے کارخانوں اور فیکٹریوں کی مسموم اور نامناسب فضا میں رہ کر دم توڑ رہی ہیں۔ یہاں پر یہ بات ضمناً اور عرض کردوں کہ مسئلہ صرف بچہ مزدوری کا نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہی مزدوری چھوٹے بچوں کے جنسی استحصال اور ان کی اسمگلنگ کی راہ ہموار کر رہی ہے اور دو وقت کی روٹی جٹانے کے پاداش میں ان بچوں کو جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ جنسی استحصال کا بھی شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ یہ وہ بڑے مسائل ہیں جو بچہ مزدوری کے بطن سے جنم لے رہے ہیں۔ عالمی سطح پر بچوں کے ساتھ ہونے والے جسمانی تشدد کے واقعات، ان کو یرغمال کرنے اور ان کے ساتھ ہونے والے جنسی استحصال کے آنکڑے بھی کم چونکا دینے والے نہیں اور ان دونوں قسم کے جرائم کا ڈانڈا بچہ مزدوری سے جاکر ملتا ہے۔ اس لیے کہ شکار ہونے والوں کی اکثریت انہیں بچوں پر مشتمل ہوتی ہے جو داخلی پریشانیوں اور مسائل یا پھر خارجی دباؤ کے تحت مختلف میدانوں میں مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو بچہ مزدوری نہ صرف یہ کہ خود ایک مسئلہ ہے بلکہ اسی کے ساتھ کئی دیگر مسائل اور جرائم کا پیش خیمہ بھی ہے اور اس لعنت سے معاشرہ کو چھٹکارا دلانے اور اس پر قدغن لگانے کا مطلب کئی بڑے مسائل سے معاشرہ کو محفوظ کرنا ہے۔

خیر جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ بچہ مزدوری کسی ایک خطہ یا ملک کا مسئلہ نہیں رہ گیا ہے، بلکہ یہ اب عالمی مسئلہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور ہر ملک اس مسئلہ سے جوجھ رہا ہے۔ اس اعتبار سے اس کے اسباب ایک حد تک مشترک ہیں۔ ہاں بعض مقامات اور علاقوں کے مخصوص کوائف اور احوال کا استثناء اپنی جگہ مسلم ہے۔

بچہ مزدوری کی دن بدن بڑھتی شرح کے پیچھے جو عوامل واسباب اپنا کام کر رہے ہیں ان میں بالترتیب غربت وافلاس، مہنگائی، مہنگی تعلیم اور کہیں کہیں جہالت کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج مختلف مقامات پر کام کرنے والے وہ بچے جن کی عمر ۱۰ سے ۱۵ سال کے درمیانی مرحلہ میں ہے، ان کی اکثریت گھریلو تنگی اور معاشی ابتری کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے کھل کھلاتے بچپن کا گلا گھونٹ رہی ہے، والدین کا ضمیر اپنے بچوں کے تئیں اتنا مردہ نہیں ہو سکتا ہے کہ صرف اپنے مفاد کی خاطر اپنے لاڈلے کے روشن مستقبل کے سارے امکانات کو مزدوری کے بوجھ تلے ہمیشہ کے لیے دبا دیں، دور دور تک والدین کی طرف سے اس سنگ دلی کا شبہ نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ صرف اور صرف غربت وافلاس کا بے رحم عفریت ہے جو انسان کو زندگی میں نامناسب قدم اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے، آج کی آسمان

چھوتی مہنگائی نے تو غریب طبقہ کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اب دو وقت کی روٹی کا انتظام مشکل ہو رہا ہے، ایسے حالات میں انسان مجبوراً اپنے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی مزدوری کی راہ میں لگا دیتا ہے، اس لیے کہ اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ تنہا اس کی کمائی شاید گھر کے واجبی اخراجات کے لیے کافی نہیں ہے اور روز بروز بڑھتی مہنگائی، شادی بیاہ، جہیز اور علاج وغیرہ کے اخراجات کا تصور اس احساس میں اور شدت پیدا کر دیتا ہے نتیجہ بچہ مزدوری کی بڑھتی شرح کی صورت میں سامنے آنے لگتا ہے

"آدھی روٹی کھائیے بچوں کو پڑھائیے"، تعلیمی بیداری کے لیے دیا گیا یہ نعرہ اپنی جگہ مسلم ہے مگر اب مناسب اور اچھی تعلیم کا حصول اس قدر مہنگا ہو گیا ہے کہ ایک عام انسان آدھی روٹی کھا کر بھی اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہیں دلا سکتا ہے جو اس کے بچے کے اچھے مستقبل کی امید پیدا کر دیں، تعلیم کی مہنگائی اب یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ "خود بھوکے سو جائیے بچوں کو پڑھائیے"، جب کہ فطرۃ انسان نامعلوم مستقبل کے لیے، بہت زیادہ دنوں تک بھوک برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ایک بہترین متبادل یہی ہے کہ تعلیم کے جھمیلے میں نہ پڑ کر وہ اپنے بچوں کو کوئی کام سکھا دے تاکہ دو وقت کی روٹی کا انتظام ہو سکے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اب پڑھائی اس قدر مہنگی ہو چکی ہے کہ عام انسان اپنے بچے کو اچھے اسکول بھیجنے سے پہلے کئی مرتبہ سوچتا ہے، سرکاری سطح پر جو تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اس کی اندرونی خامیوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے معیار پر گفتگو کر کے ہم وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری اسکول کسی بھی بچے کے اچھے مستقبل کی ضمانت تو دور کی بات ہے اسے اس قابل بھی نہیں بناتے ہیں کہ وہ اسی تعلیم کے بل پر آگے کی تعلیم جاری رکھ سکے، ان اسکولوں میں پڑھانے کا حاصل وقت گزاری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بہر حال اچھی تعلیم کا حصول جس قدر مہنگا ہوتا جا رہا ہے، اسی تیزی سے بچہ مزدوری کا گراف بھی بڑھتا جا رہا ہے مہنگی تعلیم نے عام لوگوں کے نظریات اور فکری دھارے کو منفی رخ پر موڑ دیا ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے، ورنہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے کسی کو تنفر نہیں ہے، جن لوگوں کی ماہانہ آمدنی صرف ۳ سے چار ہزار روپیہ مشکل ہوتی ہے ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ اپنے بچوں کو اچھے انگلش میڈیم اسکول میں پڑھائیں جہاں ایڈمیشن فیس ہی پانچ ہزار سے شروع ہوتی ہے فضول ہے، اور یہ ایک اہم وجہ ہے کہ بچہ مزدوری دن بدن فروغ پا رہی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قدرے اختصار کے ساتھ بچہ مزدوری کے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے، جو بچہ مزدوری کی شرح بڑھانے میں نمایاں کردار نبھا رہے ہیں۔ رہی بات ان اسباب کے تدارک اور ان پر قابو پانے کی تو اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ یہ خالص زمینی اور عملی کام ہے یہ کسی حیثیت سے بحث و مباحثہ اور قلمی توانائیوں سے حل ہونے والا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی ہماری کوششوں سے بہت اچھا نتیجہ برآمد ہونے کی امید ہے، اس وبا پر قابو پانے کے لیے حکومت کو ہی آگے آنا ہوگا اور اسے سنجیدگی سے مسئلہ کی نوعیت پر غور کرنا ہوگا، مہنگائی کی مار نے غریب انسان کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ جب تک مہنگائی کا ناگ غریبوں اور افلاس زدہ لوگوں کو ڈستا رہے گا اس وقت تک بچہ مزدوری کا گراف بڑھتا ہی رہے گا۔ غربت پر قابو پائے بغیر اور مہنگائی پر کنٹرول کیے بغیر بچوں کو مزدوری سے روکنے کی بات کرنا دیوانے کی بڑ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یوں ہی مہنگی تعلیم کا مسئلہ جب تک حل نہیں ہوتا بچہ مزدوری کی راہیں مسدود نہیں کی جا سکتی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ "مڈ ڈے میل"، کے بجائے بچوں کے اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرے اور کم فیس اور خرچہ پر انہیں اچھی اور معیاری تعلیم کا یقین دلائے۔ پرائیویٹ انگلش میڈیم اسکولوں میں غریب بچوں کی خصوصی رعایت پر غور و فکر کرے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اگر ہو سکے تو سرکاری سطح پر جو اسکول موجود ہیں ان میں ایک فن کی حیثیت سے بچوں کو مختلف کاموں پر ٹریننگ دلانے کا انتظام کیا جائے، کم سے کم غریب والدین اسی لالچ میں اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے لگیں گے کہ وہاں ان کا بچہ کوئی کام بھی سیکھ رہا ہے۔ اس سے ان کو بھی تسلی ہوگی اور بچہ مزدوری کا گراف بھی گرے گا اور تعلیمی شرح بھی بڑھے گی۔ دو وقت کا کھانا دینے کے بجائے کسی کام کی ٹریننگ بچہ مزدوری کو روکنے میں زیادہ معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب ہیں مگر ان کی حیثیت ضمنی اسباب کی ہے۔ ان پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ان دو اہم اسباب کو ختم کر دیا جائے باقی نظام خود بخود سدھر جائے گا۔

ضروری تصحیح

حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی دام ظلہ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مضمون کی آخری قسط کا عنوان "ازالۂ شبہات" تھا، جو غلطی سے "تقدیرِ اوقات" کے نام سے شائع ہو گیا تھا۔ قارئین تصحیح فرمالیں

نقد و نظر

نام کتاب: الاحسان (شمارہ نمبر:۵)
مرتبین : مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی
ضیاء الرحمٰن علیمی، رفعت رضا نوری
صفحات : ۴۸۰ اشاعت: فروری ۲۰۱۴
ناشر : شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/خانقاہ عارفیہ
سید سراواں، الہ آباد (یوپی)
قیمت : ۲۵۰/ روپے
مبصر : محمد طفیل احمد مصباحی

دورِ جدید کو ایک آئیڈیالوجی کی ضرورت ہے اور تصوف اسی آئیڈیا لوجی کا دوسرا نام ہے۔ حقیقت کی متلاشی روحیں جس چشمۂ صافی کی محتاج ہیں، وہ بلاشبہہ تصوف ہے۔ تصوف دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود کے لیے ایک رہ نما اور گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی رہ نمائی سے منزلِ مقصود تک رسائی ہوگی۔ تصوف، یہ خلائق اور دنیاوی علائق سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ دنیا میں رہ کر دنیا کی آلودگیوں اور مادّی آلائشوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کی تعلیم دیتا ہے۔

حدیثِ پاک: "لا رهبانية في الإسلام" کا یہی مطلب ہے۔

تصوف ایک کتاب دل ہے، جس کی بے شمار تفسیریں اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ زیرِ نظر کتاب "الاحسان، پانچواں شمارہ" اسی سلسلۂ خیر و برکت کی ایک مضبوط اور مستحکم کڑی ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق اکیسویں صدی کے ہندوستان میں تصوف کی نشاۃِ ثانیہ کی تحریک جن خانقاہوں سے اٹھی ہے، ان میں خانقاہِ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد، یوپی سرِ فہرست ہے۔ مجلہ کے لائق و فائق مرتبین مجیب الرحمٰن علیمی، ذیشان احمد مصباحی، ضیاء الرحمٰن علیمی اور رفعت رضا نوری مصباحی، نئی نسل کے علما اور اصحابِ قلم میں ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ دینی و عصری تعلیم کے باہمی امتزاج نے ان حضرات کو شاہین صفت بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ان کی نظر بلندیوں کو چھونے اور علم و ادب کے نئے آفاق تلاش کرنے میں لگی رہتی ہیں۔ "اللهم زد فزد"۔

"الاحسان" کے مشمولات و مضامین کو مندرجہ ذیل دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) بادہ و ساغر (۲) بادۂ کہنہ (۳) تذکیر (۴) تحقیق و تنقید (۵) بحث و نظر (۶) شناسائی (۷) مطالعۂ تصوف (۸) صوفی ادب (۹) زاویہ (۱۰) مکتوبات۔

"ابتدائیہ" مولانا ذیشان احمد مصباحی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، جس میں اسلام، ایمان، احسان کی توضیح و تشریح علم و استدلال کی روشنی میں بڑے انوکھے انداز میں کی گئی ہے۔

"بادۂ کہنہ" میں امام عبد الوہاب شعرانی اور شیخ سعید خیر آبادی قدس سرہما کی تحریریں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ محبِ گرامی جناب مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی اور ناظم اشرف مصباحی نے اپنے رواں دواں قلم سے ان دونوں تحریروں کا بڑا عمدہ اور خوب صورت ترجمہ کیا ہے اور اس طرح بادۂ کہنہ کو "بادۂ نو" میں تبدیل کر کے قارئین کی بڑی اچھی ضیافت فرمائی ہے۔

"تذکیر" کے باب میں ادیبِ عصر مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی دام فضلہ کا تفصیلی مقالہ "اسلام کی بنیادی تعلیمات: مکتوبات مخدوم جہاں کے آئینے میں" اپنی کمیت و کیفیت کے لحاظ سے مجلہ کے شایانِ شان ہے۔ صوفیۂ متوسطین میں سلطان المحققین، مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ العزیز کے مکتوبات و ملفوظات کی دینی، علمی، روحانی اور ادبی حیثیت مسلم ہے۔ آپ کے مکتوباتِ عالیہ کے بارے میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ: مخدوم بہاری شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو ہتھیلی پہ رکھ کر دکھلا دیا ہے۔ (مقدمہ مکتوبات صدی، ص:۲۸)

ڈاکٹر سید شاہد علی کا مضمون "اخلاقیات، قرآن اور نفس انسانی" بھی بڑا اہم اور وقیع ہے۔

اس شمارے میں پہلی بار تین عرب اہلِ قلم کی تحریریں شاملِ اشاعت ہیں، موسیقی و نغمہ کے تعلق سے سابق مفتیِ اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ کی تحریر حضرت رابعہ بصریہ کی شخصیت و افکار پر معروف عالمی اسکالر ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی تحریر اور علمِ حدیث کی تحقیق و اشاعت میں صوفیۂ کرام کی تاریخی خدمات کے حوالے سے شیخ عدنان بن عبد اللہ زہار کی تحریر۔ ان تینوں تحریروں کے ترجمے بالترتیب مولانا اظہار احمد ثقافی، مولانا محمد ذکی اور مولانا غلام مصطفیٰ ازہری نے کیے ہیں۔ مولانا ذکی صاحب کا ترجمہ سلاست و روانی اور عمدگی کی بہترین مثال ہے۔

"تحقیق وتنقید" یہ مجلہ "الاحسان" کے سب سے اہم اور باوقار کالم ہے اور اس کے تحت انھیں مقالات ومضامین کو جگہ دی جاتی ہے جو پُرمغز اور وقیع ہوں۔ اس کالم میں کل چھ مضامین ہیں، اور ہر ایک مضمون اپنی اہمیت ومعنویت کے پیش نظر قابلِ مطالعہ ہے۔

ضیاء الرحمٰن علیمی کا مضمون "تصوف اور صوفیہ: قاضی شوکانی کی نظر میں" آصف رضا مصباحی کا مضمون "صوفیانہ تفسیر مقبول یا مردود" اور امام الدین سعیدی کا مضمون "مسئلۂ وحدۃ الوجود کی علمی تفہیم" یہ تینوں مضامین عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن کو اپیل اور فکر کو انگیز کرنے والے ہیں۔

اس مرتبہ بحث ونظر کا عنوان ہے: "تصوف کے بنیادی ماخذ کیا ہیں؟" مناظرِ اہلِ سنت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنی عالمانہ بصیرت اور فقیہانہ اسلوب میں اس سوال کا بڑا عمدہ، مدلّل اور تسلی بخش جواب دیا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کی علمی وروحانی شخصیت اور ان کی علمی واصلاحی خدمات پر خصوصی گوشہ کے تحت کُل ۷/مضامین ہیں۔ مولانا ذیشان احمد مصباحی نے فقہی روایات واقوال میں امام شعرانی کی عارفانہ تطبیق پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اپنے رہوارِ قلم کو بڑے عالمانہ اور فاتحانہ انداز میں آگے بڑھایا ہے۔ ذیشان احمد مصباحی کی علمی لیاقت، فکری صلابت، استدلالی قوت، دل نشیں پیرایۂ بیان اور نکھرا ہوا اسلوب تحریر کا بندۂ احقر زمانۂ طالب علمی سے قائل ہے۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔

مکتوبات، مجلے کا آخری باب ہے۔ اس میں ۱۵/ اہلِ قلم کے گراں قدر خطوط ومکاتیب شائع کیے گئے ہیں۔ سید ضیاء الدین رحمانی (جدہ سعودی عرب)، ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی اور مولانا آفتاب رشک مصباحی نے الاحسان کے چوتھے شمارے میں شامل راقم الحروف کے مضمون "تصوف: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی نظر میں" کے بعض حصوں پر اپنے ذہنی خلجان اور عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا اس خلجان کا ازالہ راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے۔ سید ضیاء الدین رحمانی کا اسلوب بڑا تیکھا اور جارحانہ ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

"فاضلِ گرامی مولانا محمد طفیل احمد مصباحی نے اپنے مضمون میں یہ لکھ کر "حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی وحدت الوجود کے مقابل وحدۃ الشہود کے قائل تھے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی پر زور تردید کرتے تھے۔ الاحسان کے ہزاروں قارئین کو گم راہ کیا ہے۔"

چلیے کوئی بات نہیں، ذرہ نوازی کا شکریہ! لیکن یاد رہے- الأناء يترشح مافيه.

الحمد للہ! میں اپنے موقف پر اب بھی اٹل ہوں اور آئندہ بھی رہوں گا اور یہی کہتا رہوں گا کہ مجدد الف ثانی وحدۃ الوجود کے مقابل وحدۃ الشہود کے قائل تھے، اور مسئلہ وحدۃ الوجود، اس کی نت نئی خلاف شرع تعبیرات اور اس نظریہ کے قائلین کی پر زور تردید کیا کرتے تھے۔ ضیاء الدین رحمانی کی طرح کسی کی تضلیل کیے بغیر ہمارے دعویٰ کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

(ا) پہلے "بزمِ صوفیہ" کی یہ عبارت پڑھیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس سلسلے میں مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا نظریہ کیا تھا؟

"خود حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفیٰ:۱۶۲۴ھ) شروع میں توحیدِ وجودی (وحدۃ الوجود) کے قائل تھے اور انھوں نے یہ دوبیت اپنے مرشد حضرت خواجہ عبید اللہ کو لکھ کر بھیجے تھے۔

اے دریغا کیں شریعت علت اعمائی است......

لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ بیت سراسر حالت سکر میں قلم بند ہوئے، جو مدتوں قائم رہے، لیکن بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں۔ خدا خدا ہے، اور عالم عالم... توحیدِ وجودی کے مشرب کے مخالف علوم ومعارف کے حاصل ہونے کے وقت یہ فقیر بہت بے قرار رہا، کیوں کہ اس توحید سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ امر نہ جانتا تھا، اور عاجزی وزاری سے دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو جائے۔ لیکن رفتہ رفتہ سارے حجابات سامنے سے زائل ہو گئے اور کماحقہ حقیقت منکشف ہو گئی اور معلوم ہوا کہ عالم ہر چند صفات کمالات کا آئینہ اور اسماے ظہورات کا جلوہ گاہ ہے، لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں، جیسا کہ توحیدِ وجودی (وحدۃ الوجود) کا مذہب ہے۔" (بزم صوفیہ، ص:۶۱۹،۶۲۰، دار المصنفین، اعظم گڑھ)

مذکورہ اقتباس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیخ مجدد کا نظریہ اگرچہ شروع میں وحدۃ الوجود کا تھا، لیکن بعد میں یہ نظریہ اور معرفت زائل ہو گئی اور وحدۃ الوجود کی جگہ جو نظریہ اپنایا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا، وہ وحدۃ الشہود کا نظریہ تھا۔ باقی رہ گیا ہمارا یہ دعویٰ کہ "حضرت مجدد الف ثانی نظریۂ وحدۃ الوجود کی پر زور تردید کیا کرتے تھے۔"

اس کی دلیل بھی ملاحظہ کریں۔

شیخ مجدد نے نظریۂ وحدۃ الوجود کی کئی طریقے سے تردید کی ہے۔

(ا) نظریۂ وحدۃ الوجود، انبیا کے بیان کردہ تصورِ توحید کے منافی

ہے۔ (مکتوبات:۲۷۲،دفتراول)

(۲)انبیاے کرام نے وحدۃ الوجود نہیں بلکہ وحدتِ معبود کی دعوت دی تھی۔ (رسائل مجدد الف ثانی،ص:۳۶،ارشد برادرس،دہلی)

(۳)وحدۃ الوجود، اسلام کے بہت سارے بنیادی اصول سے متصادم ہے۔ (مکتوب:۲۷۲،دفتراول)

(۴)یہ نظریہ، تصوف کی تاریخ میں ایک نئی چیز ہے۔ ابن عربی سے قبل کسی نے اسے پیش نہیں کیا۔ ان سے قبل صرف توحیدِ شہودی تھی، نہ کہ توحیدِ وجودی۔ (مکتوبات:۲۷۲،دفتراول)

(۵)فنا کے حصول کے لیے وحدۃ الوجود کی قطعًا ضرورت نہیں، اس کے لیے توحیدِ شہودی (وحدۃ الشہود) کافی ہے۔
(مکتوبات:۲۷۲،دفتراول)

تاریخِ ہندوستان (رُودِ کوثر) میں لکھا ہے کہ:

ایک مدت تک ان (شیخ مجدد الف ثانی) پر توحیدی رنگ (وحدۃ الوجودی رنگ) غالب رہا۔ اس کے بعد ان پر وحدۃ الشہود منکشف ہوئی اور انھوں نے شیخ ابن عربی سے اپنے اختلاف کا اظہار زور دار طریقے سے کیا۔ (رودِ کوثر،ص:۳۱۵،ادبی دنیا،دہلی)

یہ سارے حوالہ جات ضیاء الدین رحمانی کے بلند بانگ دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہیں اور مولانا آفتاب رشک مصباحی کے بظاہر قابلِ رشک اعتراض اور ذہنی خلجان کے مسکت جواب بھی ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوب نمبر ۱۰۰، دفتر اول میں شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کا ردّ و انکار بڑے ادیبانہ اسلوب میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مجھ کو نص (قرآن و سنت سے دلیل) چاہیے، فص (محی الدین ابن عربی کی کتاب) نہیں، مجھ کو فتوحاتِ مدینہ (احادیثِ طیبہ) نے فتوحاتِ مکیہ (ابنِ عربی کی کتاب) سے بے نیاز کر دیا ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے یہ نظریۂ وحدۃ الوجود کی پر زور تردید اور ہمارے موقف کی تائید نہیں تو اور کیا ہے؟ ضیاء الدین رحمانی اور آفتاب رشک مصباحی ہمارے اس سوال کا جواب دیں۔

ڈاکٹر علیم اشرف جائسی لکھتے ہیں کہ: "مقالہ نگار (طفیل احمد مصباحی) کے اس جملے کی صداقت محلِ نظر ہے کہ "شاہ عبدالعزیز کے بعد علمِ حدیث ہندوستان سے رخصت ہو گیا۔" (الاحسان،ص:۳۹۲)

اس ریمارک پر عرض ہے کہ ایک بہت بڑے عالم جو کسی خاص فن میں درجۂ امامت پر فائز ہوں، ان کے وصال کے بعد عام طور سے اس طرح کا جملہ بولا اور لکھا جاتا ہے کہ "فلاں عالم کے بعد فلاں علم رخصت ہو گیا"، یعنی اب ان کی طرح اس فن کا امام اور شیخ کوئی پیدا نہ ہوگا۔ اور ہم نے جو لکھا ہے کہ "شاہ عبد العزیز کے بعد علمِ حدیث ہندوستان سے رخصت ہو گیا" اس کا یہی مطلب ہے۔ ڈاکٹر علیم اشرف صاحب کا ہمارے اس جملے کو محلِ نظر بتانا خود محلِ نظر اور ایک طفلانہ اعتراض ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے انتقال کے بعد بعض اہلِ علم و قلم نے لکھا ہے کہ "آپ کے بعد ہندوستان سے منطق و فلسفہ رخصت ہو گیا اور آپ کے ساتھ ہی یہ فن مدفون ہو گیا۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے بارے میں علامہ عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ "لحق إمام أحمد رضا القادري إلیٰ جوار ربه... فكفن العلم في اكفانه واندفن الفضيلة باندفانه." (تحقیقاتِ امامِ علم و فن، ص:۱۳۴)

ڈاکٹر صاحب ایک زمانے تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالب علم رہ چکے ہیں، اس کے بانی سرسید احمد خاں، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں: "علمِ حدیث و تفسیر بعد آپ کے (عبدالعزیز محدث دہلوی کے بعد) تمام ہندوستان سے مفقود ہو گیا"۔
(آثار الصنادید، ۵۱/۲، قومی کونسل، دہلی)

ہمارے اوپر اعتراض کرنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب سر سید احمد خاں پر اعتراض کریں اور ان کے جملے کی صداقت کو محلِ نظر بتائیں۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے بعض صحابۂ کرام کے مجاہدات اور نفس کشی کو ان کی عسرت و تنگ دستی کا معاملہ بتایا ہے۔ (ص:۳۹۷)

ایسی جرأت سے اللہ بچائے۔

شیخ سرمد کو اورنگ زیب عالم گیر جیسے متدین اور انصاف پسند حکمراں نے علماے وقت کے فتویٰ کی رو سے قتل کا حکم دیا تھا، کیوں کہ وہ کلمۂ طیبہ کے صرف پہلے جز کا قائل تھا۔ شمارہ کے ص:۵۰/ پر سرمد کے شعر اور نام کے ساتھ "شہید" لکھے جانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکی۔

مولانا ذیشان مصباحی کے اداریے کا یہ جملہ کہ "مباحثِ اسلام کے لیے علم الفقہ کی ایجاد ہوئی" بڑا مغلق اور مبہم ہے۔ حدیث، تفسیر، کلام وغیرہ علوم میں مباحثِ اسلام کا بہر حال دخل ہوتا ہے۔ ☆☆☆

منظومات

عظمتِ قرآن

ہم آپ عظمتِ قرآن کیا بتائیں گے
خدا بتائے گا یا مصطفیٰ بتائیں گے
اسی میں طالب و مطلوب کی حکایت ہے — یہی تو ایک مکمل کتابِ الفت ہے
اسی میں مخزنِ مخفی ہے، رازِ وحدت ہے — اسی میں درسِ وفا، حکمت و ہدایت ہے
کلامِ خالقِ اکبر ہے شانِ قدرت تک
کلامِ پاک رہے گا یوں ہی قیامت تک
ہر اک کتاب پہ قرآں کی حکمرانی ہے — کشش ہے اس میں، فصاحت ہے، کیا روانی ہے
سمجھنے والوں کی خاطر بڑی نشانی ہے — کلامِ حق میں حقیقت کی ترجمانی ہے
زبانِ حق سے رسالت مآب کہتے ہیں
کلامِ پاک کو ام الکتاب کہتے ہیں
یہ آیا دہر میں اللہ کا بیاں بن کر — شریکِ بزمِ نبی تھا یہ رازداں بن کر
پیام بر بھی رہا اور راز داں بن کر — رہا یہ سر پہ شہِ دیں کے سائباں بن کر
چھوؤ کلامِ خدا جب بھی باوضو ہو کر
مہکتے جاؤگے تا حشر مشک بو ہو کر
کلامِ پاک کو وحدت کا آئینہ کہیے — رقم ہے اس میں دو عالم کا واقعہ کہیے
ہر ایک حرف کو بس نورِ کبریا کہیے — جو آیتیں ہیں انھیں نعتِ مصطفیٰ کہیے
کتاب ایسی نہ آئی، نہ آنے والی ہے
یہ بے نظیر ہے، قرآن بے مثالی ہے
یہی تو خونِ شہیداں کا درد مند رہا — یہ کربلا میں بہتّر کو بھی پسند رہا
کہاں یہ نرغۂ کفار میں بھی بند رہا — یہ نوکِ نیزہ پہ بھی رہ کے سر بلند رہا
یہ وہ کتاب جسے دل کا چین کہتے ہیں
کلامِ پاک کو راہِ حسین کہتے ہیں
یہ معتبر ہے، مقدس ہے اور صادق ہے — یہ غم زدوں کا مسیحا ہے، اور حاذق ہے
یہ کارساز ہے، مشکل کشا ہے، ناطق ہے — سمجھ سمجھ کے پڑھو یہ کلامِ خالق ہے
اِسے سمجھنا ہے تو رب کی بارگاہ میں آ
حبیبِ خالقِ کونین کی پناہ میں آ

الحاج اقبال دانش، الہ آباد

نعتِ رسولِ اکرم ﷺ

رسماً جو کوئی جائے ترے در کے سامنے
رہ جائے کیوں نہ پیاسا سمندر کے سامنے

ایماں اگر نہیں ہے سلامت تو جان لے
تشنہ رہے گا حشر میں کوثر کے سامنے

نسلیں مہک رہی ہیں، لگایا جو ایک بار
کیا مشک و عود، عرقِ پیمبر کے سامنے

جنت کے سارے حسنِ مناظر ہیں آب آب
پیارے نبی کے شہر کے منظر کے سامنے

دیکھا جہاں نے، تیرے اسیرانِ عشق کا
جھکتا نہیں ہے بخت سکندر کے سامنے

یہ آرزو ہے دل میں کہ نعتِ رسولِ پاک
پڑھتا میں ان کے روضۂ اطہر کے سامنے

لکھتا وصیؔ ہے نعت مگر کیا تری بساط
احمد رضا کے عشق کے ساگر کے سامنے

وصی مکرانی واجدی،
سرلاہی (نیپال)

صدائے بازگشت

اشرفیہ کے مضامین دل چسپی سے پڑھتا ہوں

مکرمی! ....سلام مسنون

ایک مدتِ طویل کے بعد ماہ نامہ اشرفیہ کی دید سے شرف یاب ہوا۔ آپ کا رسالہ نیپال کے پتہ پر پہنچ گیا۔ آئندہ بھی رسالہ اسی پتہ پر پوسٹ کریں۔ چلیے ”بہت دیر کی مہرباں آتے آتے“ یا ”کچھ گریزاں کریزاں تو کچھ مہرباں“ کی صورت میں ہی سہی، پہنچا تو! خدا کا شکر ہے۔ جولائی ۲۰۱۴ء کے شمارہ کے مشمولات کے تعلق سے چند باتیں عرض کرتا چلوں۔ مولانا شمس الہدیٰ مصباحی نے ”تقدیر اوقات“ پر بڑی اچھی معلومات افزا گفتگو کی ہے۔ آئندہ بھی اس سلسلے میں کار آمد اور مفید معلومات ہمارے حصے میں آسکتی ہیں۔ مولانا محمد اسحاق مصباحی صاحب کا عنوان ”سچے مجاہد ہیں امریکہ، اسرائیل اور یورپ“ بڑا ہی اوٹ پٹانگ سا ہے۔ عنوان دیکھ کر بیدار ذہن قارئین سب سے پہلے اسے ضرور پڑھنا چاہیں گے، مگر اس کی تحریر سے اس کا عنوان کسی طور میل نہیں کھاتا۔ رودادِ سفر کے تحت ”دار العلوم دیوبند: ایک دورے کی عبرت آموز روداد“ بہت ہی دلچسپ مضمون ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ”گھر میں گھس کر مارنا“ یہ مضمون پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے مولانا محمد ساجد علی مصباحی کی تحریر میں بڑی چاشنی ہے۔ اگر اس تحریر کو پڑھ کر دل کو منا لیں تو عاقبت سدھر جائے۔ ”اکیسویں صدی میں یورپ و امریکہ اسلام کی دہلیز پر“ مولانا محمد صادق رضا مصباحی صاحب نے بڑی جاں فشانی اور محنت سے اس مضمون کو تحریر کیا ہے۔ منظومات میں ڈاکٹر شکیل اعظمی نے غزل نما نظم میں بڑی پیاری اور سبق آموز باتیں کی ہیں۔ واہ! بہت خوب۔

دونوں ہم مذہب و مسلک ہیں تو جھگڑا کیسا

”صدائے بازگشت“ میں بھی بہت مفید اور کار آمد باتیں آجاتی ہیں۔ اشرفیہ کے قارئین بڑے باشعور اور مفکرانہ ذہن کے حامل ہوتے ہیں۔ اشرفیہ کے سارے مشمولات پڑھنے کے لیے مجبور کر دیتے ہیں۔ میں تو اس کے سارے منظوم و نثری مضامین دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔ دیکھنا یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کا رسالہ کب تک عہدِ وفا نبھا پاتا ہے۔ خداوند قدوس اس رسالہ اور ادارہ کو تابندہ و سلامت رکھے۔ آمین۔

خیر اندیش وصی مکرانی واجدی

مقام و پوسٹ ملنگوا۔ ضلع سرلاہی، نیپال

قبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور گنبدِ خضرا کے انہدام کا منصوبہ

مکرمی! ....سلام مسنون

گذشتہ دنوں دنیا کے مختلف اخباروں میں یہ وحشت ناک خبر چھپی ہے کہ قبر نبوی سے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مقدس کو جنت البقیع کے کسی نامعلوم گوشہ میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے، اس کے بعد گنبدِ خضرا کو بھی مسمار کر دیا جائے گا۔ اس تازہ فتنہ کا سبب سعودیہ کے ایک مفتی کا فتویٰ ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ قبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر لوگ شرک کر رہے ہیں، اس لیے شرک کے اس ذریعہ کو ہی ختم کر دیا جائے۔ قبر نبوی کے بارے میں آلِ سعود و شیخ کا یہ کوئی نیا موقف نہیں ہے بلکہ جس مسلک کے وہ ماننے والے ہیں اس کے بانی ابن عبد الوہاب نجدی نے دو صدی پہلے ہی روضۂ رسول کو معاذ اللہ ”صنم اکبر“ جیسے ناپاک اور غلیظ لفظ سے تعبیر کیا تھا۔ اُن کے نزدیک روضۂ رسول کے ساتھ ساتھ صحابہ، اہلِ بیت اور صالحین کی قبریں باعث شرک ہیں۔ اس لیے ۱۹۲۵ میں اقتدار حاصل کرتے ہی ان لوگوں نے جنّت البقیع اور جنّت المعلیٰ میں بلڈوزر چلا کر بے شمار صحابہ، تابعین، صالحین کی قبروں کے وجود کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد نجدی حکومت گنبدِ خضرا کو بھی اُسی وقت ڈھانا چاہتی تھی مگر دو سبب سے گنبدِ خضرا محفوظ رہا۔ ایک تو عالم اسلام کا شدید احتجاج، دوسرا گنبد کو توڑنے کی کوشش میں دو لوگوں کا گر کر مر جانا۔ جس کی وجہ سے سعودی حکومت گنبدِ خضرا کو توڑ نہ سکی مگر اہلِ نجد آج تک یہ تمنا لیے بیٹھے ہیں کہ کب موقع ملے اور کب یہ اپنے خود ساختہ عقیدے کی رو سے صنم اکبر کو ختم کر کے اپنی شیطانی توحید کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔

واضح رہے کہ قبور مسلمین کے بارے میں اہلِ اسلام اور اہلِ نجد کے نظریات میں سخت تصادم ہے۔ اسلام تو مسلمانوں کی قبروں کے احترام کا حکم دیتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ مجھے آگ کے شعلے پر پیر رکھنا گوارا ہے مگر کسی مسلمان کی قبر پر پیر رکھنا گوارا نہیں ہے۔ مگر اہلِ نجد قبروں کو شرک کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اسے توڑ دینا اور اس کے نشانات مٹا دینا ان کے نزدیک دین کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

اہلِ نجد جس قبر کو شرک کا باعث سمجھتے ہیں اور جس کے بارے میں انھوں نے یہ شرم ناک فتویٰ دیا ہے اُسی قبر کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ”من زار قبری وجبت له شفاعتی۔ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔“ گناہ گار اُمّت کو جس قبر کی زیارت سے روزِ محشر شفاعت نصیب ہوگی اُس قبر کی ایک اینٹ کو بھی نقصان پہنچایا گیا تو عالمِ اسلام کے لیے یہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔ اہلِ نجد جس قبر کو شرک کا باعث سمجھتے ہیں اور اُسے جنّت البقیع میں

منتقل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنا رہے ہیں وہ قبر وہاں کس نے بنائی؟ صدیقِ اکبر نے، عمرِ فاروق نے، عثمانِ غنی نے، مولائے کائنات نے اور بے شمار صحابہ اور اہلِ بیتِ اطہار نے، اور کیوں بنائی؟ اس لیے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ نبی کی تدفین وہیں ہوگی جہاں اس کا وصال ہو۔ اب اہلِ نجد قبرِ نبوی کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کا یہ عمل حدیث کے منافی نہیں ہے؟؟؟

صدیاں گزر گئیں اُمّت کے کروڑوں علما، فقہا، محدثین، مجتہدین، صالحین روضۂ رسول پر حاضری دیتے رہے مگر کسی نے قبرِ نبوی کو شرک کا سبب نہ سمجھا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی کی یہ مقدس قبر اس خطۂ ارض پر ہے جس کے بارے میں رحمتِ عالم ﷺ نے خود فرمادیا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ وہ جزیرۃ العرب میں شرک کرا سکے، مگر اس حدیث کے خلاف اہلِ نجد آج بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگ جزیرۃ العرب میں شرک کر رہے ہیں۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ انھیں وفات دے گا تو وہ میری قبرِ انور سے متّصل دفن کیے جائیں گے، اہلِ نجد کیا چاہتے ہیں قبرِ نبوی کو اگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا گیا تو مدفنِ عیسیٰ کی پیشین گوئی کیسے پوری ہوگی؟ اس حدیثِ پاک کی رُو سے ہمارا یقین ہے کہ اہلِ نجد اپنے ناپاک ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

ایک حدیثِ پاک کی رُو سے اس بات کا بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اُمّت اب شرک میں مبتلا نہیں ہوگی۔ جیسا کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا "کہ مجھے اب اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے البتہ آپس میں بغض کینہ رکھو گے۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ خود بھی اس بات سے مطمئن تھے کہ اُمّت اب شرک میں مبتلا نہیں ہوگی، مگر اس حدیث کے خلاف اہلِ نجد آج بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُمّت شرک کر سکتی ہے، وہ بھی مدینے میں۔

قبرِ نبوی کو ڈھانے کا جواز سعودیہ کے مفتی جن دلائل سے ثابت کرتے ہیں ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں انھیں دلائل کی بنیاد پر سعودیہ کے یہ سرکاری مفتی کعبہ کو بھی ڈھانے کا فتویٰ نہ دے دیں کہ یہ بھی شرک ہو رہا ہے۔ لوگ کعبہ کی شکل میں پتھر کو پوج رہے ہیں، اُسے سجدہ کر رہے ہیں، کعبہ خدا نہیں ہے پھر اُس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے کیا معنی ہے۔ واضح رہے کہ کعبہ کے سامنے جھکنے کی بنیاد پر اہلِ کلیسا نے اہلِ اسلام پر پتھر پرستی کا یہی الزام لگایا ہے۔

سعودی عرب کو ہم متنبّہ کرنا چاہیں گے کہ وہ اپنے زر خرید مفتیوں کی باتوں میں آکر ہرگز یہ اقدام نہ کرے۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تو پورا عالمِ اسلام اور خود سعودیہ کے مسلمان اس کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے اور اُمّت کے غم و غصّے کا ایک ایسا طوفان اُٹھے گا جو آلِ سعود کے تخت و تاج کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا، قصرِ شاہی کا کوئی شہزادہ محفوظ نہیں رہے گا اور اُن کا حال وہی ہوگا جو لیبیا میں قذافی کا اور مصر میں حسنی مبارک کا ہوا۔ ویسے بھی لوگ شاہی اور خاندانی حکومت سے تنگ آچکے ہیں اور جمہوری نظامِ حکومت کے خواہاں ہیں جس کی بنیاد پر عام لوگوں کو بھی اقتدار کا مزہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر سعودیہ کے شاہ نے ذرا بھی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا تو کئی عوامل مل کر اُن کی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے۔

فقط (مولانا) محمد یوسف رضا قادری
بانی، تنظیم علمائے اہلِ سنت، صدر رضا اکیڈمی، بھونڈی
clickart92@gmail.com

کنزالایمان کے محاسن

مکرمی! .... سلام مسنون

کنزالایمان کی گوناگوں خوبیوں اور محاسن کے پیش نظر علمائے وقت اور محققین نے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا اور ہر ایک نے اس فی البدیہ ترجمہ کی کوئی نہ کوئی خوبی سپردِ قلم کی۔ حضرت مولانا محمد افتخار المدنی زیدہ مجدہ جو ایک عرصے سے تفسیر جلالین پر حواشی کی صورت میں علمی و تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے پانچ صدیوں سے اہل علم میں متداول اس تفسیر کا "کنزالایمان" سے تقابل کیا تو اس ترجمہ کی ایک اور خوبی کو زینت قرطاس کیا اور وہ ہے "تفسیر جلالین کی روشنی میں ترجمہ کنزالایمان کی اوّلیت"۔ یعنی تفسیر جلالین کی رو سے دیکھا جائے تو کنزالایمان دیگر اردو تراجم کے مقابلے میں اولیٰ وانسب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو تا کہ خود امام اہل سنت نے ترجمۂ قرآن کی ایک احتیاط یہ ارشاد فرمائی: **"مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔"**

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۶، ص ۴۵۷)

اگر غور کیا جائے تو تفسیر جلالین بھی حقیقت میں قرآن کریم کا عربی ترجمہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں تفسیری کلمات الفاظ قرآن کے برابر ہی نظر آتے ہیں البتہ کہیں کہیں بعض الفاظ یا جملے زائد ہوگئے ہیں بالخصوص ابتدا سے "سورۂ مدثر" تک یہی صورت حال ہے بعد میں تفسیری الفاظ آیات سے زائد ہیں۔ بہر حال اللہ رب العزت موصوف کی یہ سعی مشکور و مقبول فرمائے اور ان کے صدقے اس ناکارہ کی مغفرت فرمائے۔ امین

فقط **محمد آصف اقبال (ایم۔اے)**

عالمی خبریں

روس میں اسلام

بہت پہلے ۸۵۹ عیسوی میں مراکش کے شہر طیطوانے میں اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اسے دنیا میں مستقل طور پر موجود قدیم ترین اعلیٰ تعلیمی ادارہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے بھی پہلے ۶۴۲ء میں داغستان میں اسلامی خلافت کے نمائندے تشریف لائے تھے، جن کے توسط سے روس کی سرزمین پہ اسلام پھیلنا شروع ہوا تھا۔

اس بارے میں مراکشی طالب علموں کو اپنے لیکچر میں روسی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر اور ماہرعلم سیاسیات ڈاکٹر رافیك محمتشین نے بتایا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بیان پر طالب علموں نے حیرت کا اظہار کیا۔ جب میں نے انھیں یہ بتایا کہ روس میں اسلام کی تاریخ بہت قدیم ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام کے زمانے سے یہاں اسلام پھل پھول رہا ہے اور یہ کہ داغستان کے شہر دربنت میں چالیس صحابہ ے مزارات موجود ہیں اور یہ کہ تاتاروں نے ۹۲۲ء میں اسلام قبول کیا تھا تو اس پر انھوں نے انتہائی حیرت کا اظہار کیا۔ اس حیرت میں مزید اضافہ تب ہوا جب میں نے بتایا کہ عالم اسلام میں پہلے قرآن کے نسخوں کی اشاعت انیسویں صدی کے اوائل میں کازان میں ہوئی تھی۔

تب تک روسی مسلمانوں کے لیے قرآن کے نسخے پیٹرزبرگ میں چھاپے جاتے تھے جہاں ایک خصوصی چھاپہ خانہ بنایا گیا تھا۔ انیسویں صدی میں یہ حق کازان کو دے دیا گیا۔ ری پبلک تاتارستان کا دارالخلافہ کازان دو سو سال بعد آج بھی روس میں اسلامی ثقافت اور اسلامی تعلیم کا مرکز ہے۔

پندرہ سال پیشتر یہاں روس کی پہلی اسلامی یونیورسٹی کھولی گئی تھی۔ جہاں ماہرین مذہبیات، حفاظ، اسلامی معیشت، اسلامی قانون اور اسلامی تدریس کے ماہرین تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی روس کا واحد تعلیمی ادارہ ہے جو آل ورلڈ ایسوسی ایشن آف اسلامک یونیورسٹیز کا رکن ہے۔

روس میں اسلامی تعلیمی نظام بالکل ہی نیا ہے۔ اس کی حیات نو کا آغاز بیس سال سے کم عرصہ پیشتر ہوا تھا۔ اس کو اب اسلامی دنیا میں جو بھی بہتر تجربہ موجود ہے اس کی بنا پر بہتر کیا جارہا ہے۔

اسرائیلی دوشیزہ کا قبولِ اسلام

غیر ملکی میڈیا رپورٹس کے مطابق اسرائیلی خاتون موریل ملکہ کی ان کے اپنے ایک مسلم ہم وطن محمد منصور سے دوستی تھی۔ انھوں نے ملکہ کو اسلام سے روشناس کرایا اور ملکہ داخلِ اسلام ہوکر منصور سے شادی کرلی۔ لیکن ان کے اس عمل کو ان کے گھر اور سماج کے لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ انھوں نے ملکہ کو واپس یہودی کمیونٹی میں آنے پر زور دیا لیکن ملکہ نے ان کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ملکہ کے والدین کا کہنا ہے کہ ایک یہودی ماں باپ کی اولاد ایک مسلمان سے بھلا کیسے شادی کرسکتی ہے۔

تمام تر مشکلات کے باوجود ملکہ اور ان کے شوہر منصور ایک دوسرے کے ہمراہ زندگی گزارنے کے لیے پر عزم ہیں اور ملکہ کا کہنا ہے کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میرے اہل خانہ اور رشتے دار کیا کہتے ہیں۔

دبئی میں اسلامی تبرکات کی نمائش

متحدہ عرب امارات کے عظیم کاروباری اور سیاحتی مرکز دبئی میں متبرک چیزوں کی نمائش اختتام پذیر ہوئی جس میں کعبۃ اللہ کے عثمانی عہد کے چار لہریہ غلاف، بیت اللہ کے دو اصلی پٹ [یعنی دروازے] سمیت متعدّد دیگر مقدسات نمائش کے لیے رکھے گئے تھیں۔ گزشتہ رمضان اور عید کے ایام میں جاری رہنے والی اس منفرد نمائش کو دیکھنے والوں کی بڑی تعداد کا شوق دیدنی تھا۔ نمائش میں رکھی جانے والے متبرکات کے جمالی حسن اور روحانی معنویت نے پورے ماحول کو ایمان افروز بنائے رکھا۔ اس موقع پر زیارت کرنے والوں کا ہجوم رہتا۔ روزانہ کئی ہزار کی تعداد میں فرزندانِ اسلام ان تبرکات کی زیارت کر کے اپنی گزشتہ روشن تاریخ سے آشنائی حاصل کرتے رہے۔ نمائش کے کامیاب انعقاد سے متاثر ہو کر نمائش کی انتظامیہ نے اعلان کیا ہے کہ اس طرح کی نمائشوں کا انعقاد ہم آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ☆☆☆

خیر و خبر

جامعہ اشرفیہ کے اراکین کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد

آج یہاں جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں منعقد ایک نشست میں جامعہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد انفاس الحسن چشتی نے سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب و دیگر ارکان جامعہ کو معروف عالم و مفتی، محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین منتخب کیے جانے پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا جامعہ اشرفیہ مبارک پور برصغیر میں اہل سنت کی عظیم اور معیاری درس گاہ ہے، جو بانی جامعہ، حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز مراد آبادی کے روحانی فیوض و برکات اور ذمے داران ادارہ کی مخلصانہ کوششوں سے روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی یہ خوش نصیبی رہی ہے کہ اسے ہر دور میں ایسے افراد کا تعاون حاصل رہا جو جامعہ کی تعمیر و ترقی کے تئیں حد درجہ مخلص ہونے کے ساتھ اعلیٰ فکر و بصیرت کے حامل، فرض شناش اور تعلیمی میدان میں وسیع تجربہ والے تھے۔

واضح رہے کہ اگست ۲۰۰۱ء میں بحیثیت صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کا انتخاب عمل میں آیا، آپ نے اپنے ۱۴ر سالہ عہدِ صدارت میں اپنی مخلصانہ کوششوں اور خداداد صلاحیتوں سے جامعہ کے تعلیمی معیار کو ترقی کے اوج ثریا پر پہنچایا، اور اشرفیہ میں ایسا عمدہ نظام قائم کیا جس کی مثال دوسرے تعلیمی اداروں میں نہیں ملتی۔ شعبان ۱۴۳۵ھ ر جون ۲۰۱۴ء کو آپ کی سرکاری ملازمت کی مدت پوری ہوئی۔ یہ خبر باعث اطمینان ہے کہ ریٹائرڈمنٹ کے بعد بھی آپ ادارے کو اپنی خدمات سے نوازتے رہیں گے۔

انہوں نے مزید کہا جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد نے جامعہ کی صدارت کے گراں بار منصب کے لیے محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی حفظہ اللہ کا انتخاب کیا ہے، حضرت مفتی صاحب قبلہ ایک متدین اور ذمے دار عالم، بلند پایہ فقیہ و مفتی ہیں، وہ جماعت اہل سنت کے صفِ اول کے علما میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تحقیقات، نگارشات، فتاوے اور تصانیف ملک و بیرون ملک میں یکساں مقبول ہیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ایک زمانے سے تدریس و افتا کی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ علما کے مابین اپنی دیانت، دور اندیشی، صبر و تحمل کے لیے معروف ہیں۔ بلا شبہہ موصوف جامعہ اشرفیہ کی صدارت کے عظیم منصب کے صحیح مستحق ہیں۔ انتظامیہ کے اس حسنِ انتخاب پر ہم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے سربراہ اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ اور جملہ اساتذۂ جامعہ صمدیہ کی جانب سے حضرت مفتی صاحب قبلہ اور جامعہ اشرفیہ کے اراکین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اس نشست میں مولانا غلام جیلانی مصباحی، مفتی اسرائیل مصباحی، مفتی مجیب عالم مصباحی، محمد ساجد رضا مصباحی، مولانا خلیل اللہ نظامی، مولانا امیر الحسن مصباحی، مولانا احکام علی چشتی، مولانا عابد چشتی، مولانا گل شاد چشتی وغیرہ اساتذہ جامعہ شریک ہوئے۔

از: ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

سیلاب زدہ کشمیری عوام کی مالی، و فلاحی امداد کے لیے دینی، ملی، قومی اور سیاسی قائدین پیش قدمی کریں: تنظیم ابنائے اشرفیہ

کلکتہ (پریس ریلیز) تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے کنوینر اور جامع مسجد ٹکیہ پاڑہ کے خطیب و امام مولانا محمد عارف حسین مصباحی نے کشمیری مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر اپنے غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے جاری پریس ریلیز میں کہا کہ ذرائع ابلاغ سے ملی اطلاع کے مطابق کشمیر شدید سیلاب کی زد میں ہے، دریائے جہلم میں طغیانی آنے سے قدرتی آفات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے تین سو سے زائد افراد سیلاب کی زد میں ہلاک ہو گئے ہیں، حکومت کی جانب سے مالی اور امدادی کوششوں کے باوجود "خلق خدا" کی بڑی تعداد سیلاب کی زد میں ہے، مسلح افواج اور بچاؤ کارکن نے بڑی تعداد میں لوگوں کو سیلابی صورت حال سے نجات دینے کی تگ و دو جاری رکھی ہے، ۷۹ ٹرانسپورٹ طیارے اور ہیلی کاپٹرس ہندوستانی فضائیہ اور شہری ہوا بازی کور کمیٹی کی جانب سے استعمال کیے جا رہے ہیں، راحت اور بچاؤ کے کام میں مصروف جنوبی کشمیر اور سری نگر کے فوجیوں کے کئی کیمپ زیر آب آ گئے ہیں، غذا، فوج کے ایک ہزار خاندان اور ۴/ لاکھ سے زیادہ مرد و عورت، بوڑھے بچے سری نگر اور جمو کے سیلاب زدہ علاقوں میں غذا، پانی بجلی کی فراہمی اور دیگر ضروریات سے محروم ہو گئے ہیں کشمیری عوام ناقابل تلافی نقصان

سے دوچار ہوئیں، جموکشمیر سمیت دیگر علاقوں میں سیلاب کی صورت حال سے پریشان افراد اپنی اپنی چھتوں پر کھڑے رات دن ہماری انسانی ہمدردی اور مالی معاونت کے شدید منتظر ہیں۔

ایسی صورت حال میں ہماری تمامی ملی، قومی، اور سماجی تنظیموں، کے ذمہ داران، سیاسی سماجی اور ملی قائدین اور مساجد کے ائمہ حضرات کا اخلاقی اور انسانی فریضہ بنتا ہے کہ ان بے بس، مجبور اور پریشاں حال کشمیری لوگوں اور بالخصوص کشمیری مسلمانوں کے دکھ درد کا ہم سامان بنیں، مصیبت کی اس گھڑی میں ہم سے جو کچھ مالی معاونت ہوسکے ان کے لیے کرگزرنے کی کوشش کریں کیوں کہ "خدمت خلق" ہمارے مہذب مذہب اسلام کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ ہمیں مذہب اسلام کا پیروکار ہونے کی وجہ سے پیارے آقا ﷺ کی مقدس تعلیم "ساری مخلوق اللہ کا کنبہ اور قبیلہ ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے اچھا وہ ہے جو اس کی مخلوق سے سب سے اچھا معاملہ اختیار کرے" پر سختی سے عمل کرنا چاہیے داعی اسلام حضرت محمد ﷺ نے ذات، پات، اونچ نیچ کی تفریق ختم کرکے انسانی اقدار و شرافت اور باہمی اخوت و محبت پر بڑا زور دیا ہے کشمیری مسلمان ہماری ہمدردی اور ہر طرح کی اعانت کے شدید مستحق ہیں

تمام ملی، قومی، اور سماجی تنظیموں، کے ذمہ داران، سیاسی سماجی اور ملی قائدین اور مساجد کے ائمہ حضرات کے قلب ناز پر بار گراں نا گزرے تو عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ جلسے جلوس، قوالی، مشاعرے، چادر گاگر، شادی بیاہ میں نام و نمود، وغیرہ دیگر غیر ضروری رسم و رواج جیسے درجنوں مواقع پر لاکھوں روپے کا ہم اور آپ انتظام و انصرام کرسکتے ہیں، اپنی سیاسی پارٹی سے وفاداری، خاندانی اور گروہی رسہ کشی کے لئے کثیر تعداد میں اپنے مال و دولت کو صرف کرسکتے ہیں تو کیا اپنے پریشاں حال بھائیوں کی مدد کے لئے اپنے مال اور قیمتی وقت کی قربانی نہیں دے سکتے؟ کیا انسانی ہمدردی کے نام پر اپنی سابقہ روش "امدادی، فلاحی اور رفاہی کاموں" کے لیے تھوڑی سی محنت نہیں کرسکتے؟ ہم مسلمانوں کی مساجد میں اگر کوئی دکھ کا مارا پریشاں حال اپنی پریشانیوں کا صدمہ لے کر آتا ہے تو ہماری مساجد کے ائمہ، اور ہماری قوم مسلم کسی نہ کسی زاویہ سے اس کی مدد کرتے اور ثواب کے حق دار ہوتے ہیں تو کیا اس قدرتی آفات سے ہمکنار کشمیری مسلمانوں کی مدد کے لیے ہمارے ائمہ حضرات اور ان کے مصلیان آگے آکر ثواب الٰہی کے حق دار نہیں ہوسکتے؟۔

مقام غور و فکر ہے کہ انسانی اقدار و شرافت کو پامال کرنے والی آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیم کے سابق ورکر اور موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی جیسے لوگوں کا دل کشمیری عوام کی پریشانی سے بے چین ہوگیا اور اسے قدرتی آفات کا نام دے کر حکومت کے فنڈ سے ہزاروں کرور روپے کشمیری عوام کی فلاح کے لیے وقف کیا اور مزید کا وعدہ کیا تو کیا انسانی اقدار و شرافت کا داعی و حامی مذہب اسلام کے پیرو کار مسلمان کشمیری عوام کی موجودہ پریشانی اور رنج و الم کے جاں گداز مراحل میں حکومت کے انسانی اور فلاحی کاموں میں ہاتھ نہیں بٹا سکتے اس لیے ہم 'بحیثیت انسان' سیلاب زدہ کشمیری عوام کی مالی، و فلاحی امداد کے لیے تمام دینی، ملی، قومی اور سیاسی قائدین کی بارگاہ میں گزارش کرتے ہیں کہ "بنی آدم اعضاے یک دیگر اند" کی طرح ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھنے اور ان کے دکھ درد کا مداوا بننے کے لیے حتی المقدور اپنے مال کی قربانی دینے کا حسب سابق انسانی فریضہ انجام دیں۔ کیوں کہ "قطرہ قطرہ دریا شود" کی طرح ان کشمیری بھائیوں کے لیے بہت کچھ ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کے اس حسن عمل اور باہمی اخوت و محبت اور انسانی ہمدردی پر مبنی اس نیک عمل کو ضائع اور برباد نہیں فرمائے گا اور دارین میں اس کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے گا اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

از: محمد عارف حسین مصباحی
mdah.misbahi@gmail.com

اشرفیہ کلینڈر

2015ء

منظرِ عام پر آچکا ہے۔

خواہش مند حضرات جلد از جلد

منیجر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

سے رابطہ قائم کریں